جوامع الرسول
في شرح الجامع المختصر من السنن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم
ومعرفة الصحيح والمعلول وما عليه العمل
المعروف بـ:
سنن الترمذي
للإمام أبي عيسى محمد بن عيسى بن سورة الترمذي نوّر الله مرقده
الامالي والدروس للشيخ الحديث:
مولانا محمد رسول خان هزاروی رحمه الله۔ الملقب باستاذ الکل فی الکل
الضبط والتقديم:
مولوی المفتی غلام مصطفی حفظه الله ورعاه بجامعة الاشرفية لاهور
(المجلد الاول۔ کتاب الطهارة)
المكتبة المنورة

فِی شرح الجامع المُختصر مِنَ السُّنَنِ عَن رسُولِ اللہ ﷺ
ومعْرِفَةِ الصحیْحِ والمَعْلُولِ وما علَیْه العمل

المعروف بـ:

سُنن التّرمذي

لِلإمام أبي عیسیٰ محمّد بن عیسیٰ بن سَوْرَة التّرمذيّ نوّر اللہُ مرقدہٗ

الامالي والدروس للشیخ الحدیث:

مولانا محمّد رسول خان ہزاروی رحمہ اللہ۔ الملقب باستاذ الکلّ فی الکلّ

الضبط والتقدیم:

مولوی المُفتی غلام مُصطفیٰ حفظہ اللہ ورعاہ بجامعة الاشرفیة لاہور

(المجلد الاول۔ کتاب الطہارۃ)

فہرست

عرض ناشر

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین امابعد!

الحمدللہ "مکتبۃ المنورہ" سنن الترمذی کی اردو شرح "جوامع الرّسول" شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔
"جوامع الرّسول" حدیث کی مروّجہ شروحات میں محض ایک کتابی اضافہ نہیں بلکہ احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت سلف وخلف کی نُدرتوں کا حسین مرقّع، علوم نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی بیش بہا وسعتوں کا خزینہ، چودہ سو سال سے منقول احادیث کی مصدّقہ تشریحات وتعبیرات سے آگاہی کا زینہ، اور جامع الترمذی جیسی عظیم الشان کتابِ حدیث کی وہ نایاب شرح ہے جو برّصغیر پاک وہند کے بلند پایہ عالمِ دین شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کے مایہء ناز شاگرد اور اپنے دور میں اکثر وبیشتر علماء کے استاذ ہونے کے ناطے "اُستاذ الکلّ فی الکلّ" کے لقب سے معروف علمی وروحانی شخصیت "شیخ الحدیث حضرت مولانا محمّد رسول خان ہزاروی رحمہ اللہ" کے عمیق ولطیف اندازِ تدریس کا زرّیں مجموعہ ہے۔

حضرت مولانا محمّد رسول خان رحمہ اللہ کے دروسِ ترمذی کو ان کے تلمیذِ رشید حضرت مولانا مفتی غلام مصطفیٰ مدّظلہ نے جامعہ اشرفیہ لاہور میں دورانِ تعلیم سن ۱۹۶۶ء میں قلمبند فرمایا تھا۔ ایک عرصے سے ان کی خواہش تھی کہ یہ قیمتی متاع چھپ کر عام ہو جائے اور حضرت رحمہ اللہ کے لیے صدقہء جاریہ ثابت ہو۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطاء فرمائے حضرت مولانا مفتی ضیاء الدین (مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور) کو کہ انھوں نے حضرت مولانا مفتی غلام مصطفیٰ صاحب مدّظلہ کے ساتھ مل کر مسوّدہ کی صفائی، کمپوزنگ، احادیث کی تحقیق وتخریج میں انتھک محنت کی اور اسے اشاعتی مراحل تک پہنچایا۔

اللہ پاک کی توفیق سے یہ دُروس "جوامع الرّسول" کے نام سے آج کتابی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ پہلی جلد کتاب الطہارۃ پر مشتمل ہے، ان شاء اللہ العزیز بقیہ اجزاء بھی جلد ہی منظرِ عام پر آجائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبولیت سے نوازے اور اس کی اشاعت میں معاونت کرنے والے احباب خصوصاً بھائی سلمان رحمہ اللہ کے بیٹے، ان کے دوست اور مفتی ضیاء الدین سلمہم اللہ کو اپنے شایانِ شان اجرِ عظیم عطاء فرمائے، اور ہمارے اعزّہ واقرباء، مرحومین ومتعلقین اور تمام مؤمنین ومؤمنات اور شیوخ واساتذہ کے لیے بھی اسے صدقہء جاریہ بنادے۔ آمین

والسلام / مدیر مکتبۃ المنورہ
(مولوی حافظ) عطاء اللہ ابن مفتی غلام مصطفیٰ

پیش لفظ

[از شیخ الحدیث حضرت مولانا فضل الرّحیم صاحب دامت برکاتہم العالیہ مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور]

الحمد الله رب العالمين والصلاة والسلام على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين. أما بعد!

سننِ ترمذی کی شرح "جوامع الرّسول" کی اشاعت سے جتنی خوشی مجھے حاصل ہوئی ہے شاید و باید ہی کسی دوسرے کے حصہ میں آئی ہو۔ وجہ اس کی صاف ظاہر ہے کہ یہ حدیث کی ایک عظیم الشان کتاب کی شرح ہونے کے ساتھ ساتھ ہمارے مربّی واستاذ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمّد رسول خان ہزاروی رحمہ اللہ کے کمالاتِ علمیہ کی زندہء جاوید تعبیر اور علومِ دینیہ خصوصاً تعلیمِ حدیث میں ان کی خدمات کی عملی تصویر ہے۔

اللہ جزائے خیر عطاء فرمائے ہمارے دیرینہ ساتھی اور دارالافتاء جامعہ اشرفیہ لاہور کے رفیقِ خاص جناب مولانا مفتی غلام مصطفیٰ صاحب کو کہ انھوں نے استاذ المعقول والمنقول حضرت مولانا محمّد رسول خان رحمہ اللہ کے جامع الترمذی سے متعلق دروس وامالی کو "جوامع الرّسول" کے نام سے جمع فرماکر علماء وطلبہ کے حق میں ایک عظیم خدمت سرانجام دی ہے۔

امالی املاء کی جمع ہے۔ صاحب کشف الظّنون رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ " ایک عالم کی مجلس میں قلم وکاغذ لیے ہوئے اس کے شاگرد موجود ہوں، اور وہ شاگرد اِس عالم پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے القاء کیے جانے والے علوم کو لکھ لیں، اور یہ لکھاہوا کتابی صورت اختیار کرجائے تو اسے املاء کہتے ہیں"۔ اور جوامع الرّسول اسی املاء کی عمدہ تعبیر ہے۔

میں اس اہم اور بیش قیمت پیش کش پر حضرت مولانا مفتی غلام مصطفیٰ مدظلّہ کا انتہائی شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اس کتاب کی اشاعت سے اپنے اور ہمارے محترم استاذ حضرت مولانا محمّد رسول خان ہزاروی رحمہ اللہ سے نسبت کا حق اداء کر دیاہے اور استاذ رحمہ اللہ کے فیوض وبرکات کی تبلیغ کا جو قرض ہم پر تھا اس کی ادائیگی کا ذریعہ ثابت ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو قبول فرمائے اور ہم سب کے لیے، خصوصاً استاذِ محترم کے لیے اسے صدقہء جاریہ بنادے۔ آمین

جہاں تک استاذِ محترم رحمہ اللہ کے اندازِ تدریس اور علماء وطلبہ کے لیے اس کتاب کی افادیت کی بات ہے تو یہ کہنا بیجانہ ہوگا کہ "جوامع الرّسول" تعلیمِ حدیث کی بابت کے ایک مدلّل ونرالے انداز اور جامع ومانع اسلوب کا گلدستہ ہے۔

اس درسی تقریر میں مسائل کی عقلاً ونقلاً ایسی توضیح کی گئی ہے کہ ایک طرف طالبینِ علم کی تسلی ہوجاتی ہے تو وہیں معترضین کا ناطقہ بھی بند ہوجاتا ہے۔ حضرت رحمہ اللہ جیسا محققانہ تدریسی سلیقہ دورِ حاضر میں ناپید بلکہ تقریباً متروک ہوچکاہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے جدید علماء وطلبہ علوم عقلیہ کی طرف عدمِ توجہی اور ضروری اصطلاحاتِ فنون سے عدمِ آگہی کی بناء پر ہمارے اکابرین کی طرح تعقل پسندوں کی مضبوط گرفت نہیں کرپاتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ احباب اگر اس کتاب کا بغور مطالعہ کریں اور تحصیل و تدریسِ علم میں اس سے کماحقہ استفادہ کریں تو شکوک و شبہات میں پڑے بغیر درس و تدریس میں اسے کافی وشافی پائیں گے۔ یہ کتاب در حقیقت ان امالی میں سے ہے جن کے بارے میں حافظ ابو طاهر السِّلَفِي الشافعي فرماتے ہیں ۔

واظب على كَتْبِ الأمالي جاهدًا من ألسن الحفاظ والفضلاء

فأجلُّ أنواع العلوم بأسْرِها ما يكتب الإنسان في الإملاء

" سختی سے کاربند رہو ان کتبِ امالی پر جو حفاظ و فضلاء کی زبانوں سے صادر ہوئی ہیں۔ تمام علوم میں بہترین وہ ہیں جنھیں انسان (اصحابِ علم سے) بطور املاء لکھتا یا ضبط کرتا ہے۔"

مجھے اللہ ربّ العزّت سے پوری امید ہے کہ امام رازی رحمہ اللہ کی تفسیر کبیر کی طرح خصوصاً اردو دان طبقے کے لیے علومِ حدیث میں یہ ایک نمایاں اور منفرد اضافہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں استفادہ وافادہ کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

آخر میں میری طلبہء عزیز سے گزارش ہے کہ تحصیلِ علم میں ادب کے دامن کو ہرگز ہاتھ سے جانے نہ دیں۔ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمہ اللہ (مجالسِ ابرار میں) فرماتے ہیں کہ آج علم میں بے برکتی کا بڑا سبب اساتذہ کا ادب واحترام نہ کرنا ہے اور تفسیر اور حدیث پاک کی کتابوں کا ادب نہ کرنا ہے، عموماً طلبہ انگریزی اسکول کے لڑکوں کی طرح دینی کتب کو ہاتھ میں لے کر نیچے لٹکائے ہوئے ہلاتے ہوئے چلتے ہیں، جس سے دینی کتابیں کبھی آگے، کبھی پیچھے ہو جاتی ہیں اور بعض تو چارپائی کے سرہانے بیٹھے ہوئے اور پائینتی کتابوں کو رکھتے ہیں، بعض دینی کتب پر قلم، چشمہ اور ٹوپی رکھ دیتے ہیں، ان باتوں سے بچنا چاہیے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فضل بے ادب کو نہیں ملتا، حضرت عارف رومی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ۔

اے خدا جوئیم توفیقِ ادب　　　بے ادب محروم ماند از فضل رب

"اے خدا! ہم آپ سے ادب کی توفیق مانگتے ہیں، کیوں کہ بے ادب آپ کے فضل سے محروم ہو جاتا ہے"۔

اور اساتذہء کرام سے بھی عرض ہے کہ طلبہ سے محبت واحترام سے پیش آئیں، کم از کم ان کے لیے اپنی اولاد کی طرح فکر مند ہوں۔ آنحضرت ﷺ کے فرمانِ عالیشان کے مطابق حصولِ علم کے لیے آنے والوں کو خوش آمدید کہنا اور ان کے تعلیم و تعلم میں کوئی دقیقہ فرگزاشت نہ کرنا ہمارے دینی فرائض میں سے ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ پاک ہمیں خدمتِ قرآن وحدیث سے بہرہ ور فرمائے اور ہر حال میں کہے سنے پر عمل کی توفیق سے نوازے۔ آمین وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين والصلوة والسلام علىٰ سيد الانبياء والمرسلين

****

تعارفِ سنن الترمذی

جامع یا سنن الترمذی کا پورا نام ''الجَامِعُ المُخْتَصَرُ مِنَ السُّنَنِ عَن رسولِ الله ﷺ ومَعْرِفَةُ الصَحِيْحِ وَالْمَعْلُوْلِ وَمَا عَلَيْهِ العَمَلُ''[1] ہے۔

ترمذی علمِ حدیث کی معتبر ترین چھ کتابوں میں سے ایک ہے۔ یہ امام محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ کی تالیفِ لطیف ہے۔ ان کی کنیت ابو عیسیٰ، نام محمد بن عیسی بن سَورۃ بن موسیٰ بن الضحاک، نسبت؛ ترمذی، بوغی، سُلمی۔ ۲۰۹ھ میں شہر ترمذ میں پیدا ہوئے۔ آپ سُلمی، ترمذی اور بوغی کہلاتے ہیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بلند پایہ محدث، حافظ الحدیث اور انتہائی متقی اور عابد وزاہد تھے۔ آپ کا انتقال مشہور قول کے مطابق ستر سال کی عمر میں ۱۳ / رجب المرجب شب دو شنبہ ۲۷۹ھ ترمذ میں ہوا۔ حق تعالیٰ آپ کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین ثم آمین

آپ نے اپنی اس کتاب میں امام بخاری کی طرح تمام ابواب کی احادیث لا کر اس کتاب کو جامع بنا دیا ہے۔ صحاحِ ستہ میں انھی دو کتابوں پر بالاتفاق جامع کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسیؒ لکھتے ہیں کہ ایک بار ہرات میں امام ابو اسماعیل عبد اللہ بن محمد انصاری کے سامنے امام ترمذیؒ اور ان کی جامع کا تذکرہ آیا تو وہ فرمانے لگے:

''ان (ابو عیسیٰ ترمذی) کی کتاب میرے نزدیک بخاری و مسلم کی کتاب سے زیادہ نافع ہے، کیوں کہ بخاری و مسلم کی کتابوں سے تو صرف عالم متبحر ہی فائدہ اٹھا سکتا ہے، لیکن ابو عیسیٰ کی کتاب سے ہر شخص مستفید ہو سکتا ہے۔''[2]

حافظ ابو بکر بن نقطہ بغدادی المتوفی ۶۲۹ھ امام ترمذی رحمہ اللہ کی زبانی ناقل ہیں کہ

''میں نے المسند الصحیح یعنی کتاب الجامع کو تصنیف کر کے علماء حجاز کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے اس کو پسند کیا اور علماء عراق کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے بھی اس کو پسند کیا اور علماء خراسان کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے بھی اس کو پسند کیا اور جس کے گھر میں یہ کتاب موجود ہے تو گویا اس کے گھر میں خود پیغمبر ﷺ موجود ہیں جو تکلم فرما رہے ہیں۔''[3]

---

۱ – دیکھیے؛ شیخ عبدالفتاح ابوغُدّہ رحمہ اللہ کی کتاب ''تحقیق اسمی الصحیحین واسم جامع الترمذی''

۲ – شروط الأئمة الستة (ص: ١٦، التقييد ٩٨/١)

٣ – التقييد لمعرفة رُواة السنن والمسانيد (١/٩٧)

جدید ترقیم کے مطابق ترمذی میں کل ۵۰ کتب ہیں اور جملہ روایات کی تعداد تین ہزار نو سو چون (۳۹۵۴) ہے[1]۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدثِ دہلوی رحمہ اللہ اپنی کتاب "بستان المحدثین" میں فرماتے ہیں:۔

"مجموعی حدیثی فوائد کے لحاظ سے اس کتاب کو (امام ترمذی کی) تمام کتابوں پر فوقیت دی گئی ہے۔ اول اس وجہ سے کہ اس کی ترتیب عمدہ ہے اور تکرار نہیں ہے۔ دوم اس وجہ سے کہ اس میں فقہاء کا مذہب اور اس کے ساتھ ساتھ ہر ایک کا استدلال بیان کیا گیا ہے۔ سوم اس وجہ سے کہ اس میں حدیث کے انواع مثلاً صحیح، حسن، ضعیف، غریب اور معلل بہ علل وغیرہ کو بیان کیا گیا ہے۔ چہارم اس وجہ سے کہ اس میں راویوں کے نام، ان کے القاب اور کنیت کے علاوہ ان فوائد کو بھی بیان کیا گیا ہے جن کا علم الرجال سے تعلق ہے۔"[2]

یہ کتاب احادیث نبویہ کو آٹھ قسموں (۱-عقائد و دینی اصول ۲- شرعی احکام، عبادات و معاملات اور حقوق العباد سے متعلق احادیث ۳- تفسیر قرآن ۴- آداب واخلاق ۵- سیرت و شمائل نبوی ۶- مناقب صحابہ رضی اللہ عنہم ۷- رقاق وعظ و نصیحت اور ترغیب و ترہیب سے متعلق احادیث (جسے کتاب الزہد کا نام دیا جاتا ہے) اور ترمذی کی کتاب الزہد کی نظیر صحاح ستہ میں نہیں ملتی ۸- علامات قیامت) سے متعلق احادیث کا حسین مجموعہ ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ کی یہ کتاب حدیث و فقہ کے علمی فوائد اور سلف و خلف کے مذاہب کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو مجتہد کی ضرورت کو پورا کر دیتا اور مقلد کو بے نیاز کر دیتا ہے۔ اور آپ کے ہاتھ میں موجود "جوامع الرّسول" اسی اہم کتاب کی شرح ہے جو شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ کے شاگردِ رشید المعروف بہ استاذ الکلّ فی الکلّ مولانا محمد رسول خان ہزاروی رحمہ اللہ کے ان دروس پر مشتمل ہے جو مولانا مفتی غلام مصطفیٰ مدظلہ نے سن ۱۹۶۶ء میں دورانِ تعلیم جامعہ اشرفیہ لاہور میں قلمبند فرمائے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور پروردگار عالم سے دعاء ہے کہ ہمیں تحصیل علم و عمل کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

[نوٹ: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمّد رسول خان ہزاروی رحمہ اللہ اور ان کے دروس "جوامع الرّسول" کے مرتّب حضرت مولانا مفتی غلام مصطفیٰ صاحب مدّظلہ کا تفصیلی تعارف آیندہ صفحات میں آرہاہے۔]

---

[1] - محمد فؤاد (۱۲۹۹ - ۱۳۸۸ هـ = ۱۸۸۲ - ۱۹۶۸ م) بن عبد الباقي بن صالح بن محمد: عالم بتنسيق الأحاديث النبوية ووضع الفهارس لها ولآيات القرآن الكريم. مصري الأبوين، ولد في قرية بالقليوبيةوتوفي بالقاهرة.

[2] - بستان المحدثين (صفحه نمبر ۳۱۵) ترجمہ از مولانا عبد السمیع دیوبندی، مطبوعہ مفتی الٰہی بخش اکیڈمی شاملی، یوپی، ہند

ابتدائیہ

از مولانا قاری ڈاکٹر فیوض الرحمٰن صاحب مدظلہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ، اَمَّا بَعْدُ!

برادرِ مکرم مولانا مفتی غلام مصطفی صاحب جامعہ اشرفیہ کے ممتاز فاضل اور اب اسی مادرِ علمی میں بطور مفتی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ انہوں نے ۱۹۶۶ء میں جامعہ اشرفیہ کے دورہ حدیث میں شرکت کی سعادت حاصل کی اور جامع الترمذی استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مولانا محمد رسول خان ہزارویؒ سے پڑھی۔ حضرتؒ دارالعلوم دیوبند کے ۱۳۲۳ھ کے فاضل اور شیخ العالَم مولانا محمود حسنؒ کے ممتاز شاگرد، مدرسہ امداد اسلام میرٹھ کے صدر مدرس اور پھر ۱۳۳۳۔۱۳۵۳ء تک اسی مادرِ علمی (دارالعلوم دیوبند) میں اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس عرصہ میں بخاری شریف کے علاوہ دورۂ حدیث میں شامل کتب حدیث مسلم، ترمذی، ابن ماجہ اور دیگر کتب حدیث کا درس دیا اور اس عرصہ میں ان سے دارالعلوم دیوبند کے ۱۶۴۳ طلبہ نے حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ پھر پروفیسر مولوی محمد شفیع پرنسپل پنجاب یونیورسٹی اورئینٹل کالج لاہور کی دعوت پر دارالعلوم دیوبند سے بطور صدر مدرس شعبۂ عربی لاہور تشریف لے آئے اور وہاں بخاری، ترمذی اور دیگر داخل نصاب کتب ایم اے عربی اور مولوی فاضل پنجاب یونیورسٹی کا درس دیتے رہے۔ اس طرح ہزاروں طلبہ نے ان سے درس لیا اور پھر آگے اس سلسلۂ تدریس کو سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جاری رکھا۔ مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور اور جامعہ اشرفیہ لاہور میں آپ سے حدیث پڑھنے والے ہزاروں علماء کا ریکارڈ سرِ دست موجود نہیں ہے۔ پھر جامعہ اشرفیہ میں پہلے جزوقتی اور پھر ریٹائرمنٹ کے بعد ۱۹۵۴ء میں مستقل طور پر جامعہ اشرفیہ لاہور میں تشریف لے آئے اور اپنے وصال ۱۹۷۱ء تک حدیث پڑھاتے رہے۔

اسی عرصہ میں مفتی صاحب نے ان سے جامع الترمذی پڑھی اور ساتھ ہی ساتھ اسے لکھتے بھی رہے۔ مسودہ کا مطالعہ کرتے ہوئے میں بہت محظوظ ہوا اور بعض مقامات پر یوں محسوس ہوا جیسے حضرت کی خدمت میں بیٹھے ان کا درس سن رہے ہیں۔ ترمذی شریف میں سے کتاب الطہارہ کی تخریج کے بعد اسے برائے اشاعت پریس بھیجوا رہے ہیں اور برادر مکرم حضرت مولانا فضل الرحیم صاحب مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ کے ایماء پر مجھ سے اس پر کچھ لکھنے کی فرمائش کی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں ان کے بڑے بڑے تلامذہ کی موجودگی میں اس کا کسی طرح بھی اہل نہیں مگر ان کے حکم کی تعمیل میں یہ چند سطور لکھ رہا ہوں۔

راقم الحروف کے بڑے بھائی جان مولانا قاری محمد عارف صاحبؒ ایم اے فاضل جامعہ اشرفیہ (۱۹۳۷ـ۲۰۰۴ء) جنہوں نے حضرت الاستاذ سے کالج اور جامعہ اشرفیہ میں ۱۹۵۳ـ۱۹۷۱ء تک ان سے حدیث کا درس لیا۔ ان کا حق تھا کہ وہ اس پر لکھتے، مگر اب وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچ چکے ہیں۔

مفتی صاحب نے پوری کوشش کی ہے کہ حضرت ہی کے ارشاد فرمودہ ارشادات بعینہٖ اہل علم و فضل کے سامنے پیش کریں۔ میں ان کی اس کوشش پر انہیں دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ انہیں پہلی فرصت میں باقی رہ جانے والی شرح کو بھی منظرِ عام پر لانے کی توفیق نصیب فرمائیں اور علمائے کرام اور عزیز طلبہ اس سے کے مطالعہ سے بھرپور فائدہ حاصل کریں۔۔ آمین!

میں آیندہ صفحات میں حضرت مولانا محمّد رسول خاں ہزاروی رحمہ اللہ کا مختصر سوانحی خاکہ پیش کروں گا تاکہ علماء وطلبہ کو ان کے مقام و مرتبہ سے بخوبی آگاہی حاصل ہو اور ان کے فیوض وبرکات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکیں۔

خادم العلماء والدین

فیوض الرحمن

ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمٰن

۲۹ رجب ۱۴۴۳ھ

۳ مارچ ۲۰۲۲ء

تذکرہء حضرت استاذ الکل فی الکل

مولانا محمد رسول خاں ہزاروی رحمہ اللہ ۱۸۷۱ء-۱۹۷۱ء

(از مولانا ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمٰن صاحب مد ظلہ)

آپ اصلاً "بانیان" علاقہ ٹکری نندہیاڑ ضلع ہزارہ کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد مولوی محمود علی خاں بن محمد گل خاں نے "بانیان" کی سکونت ترک کر کے "اچھڑیاں" ڈاک خانہ حاجی آباد تحصیل مانسہرہ ہزارہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ آپ قوم سواتی نروڑ (پٹھان) سے تعلق رکھتے تھے۔

آپ کی ولادت بجنہ علاقہ پکھلی مانسہرہ میں ہوئی جب کہ آپ کے والد صاحب وہاں رہتے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ کے علماء سے حاصل کی پھر سکندر پور ہری پور ہزارہ میں مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے ممتاز شاگرد مولانا احمد فاضل دیوبند ۱۲۹۷ھ سے پڑھتے رہے۔ زاں بعد بہوئی گاڑ اٹک میں بھی کچھ عرصہ تعلیم حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ پہلے تین سال میں موقوف علیہ کی تکمیل کر کے ۱۳۲۳ھ، ۱۹۰۵ء کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ (م ۱۳۳۹ھ)، مولانا غلام رسول ہزارویؒ (م ۱۳۳۷ھ)، مولانا حبیب الرحمنؒ (م ۱۳۴۸ھ)، مولانا ذوالفقار علیؒ (م ۱۳۲۲ھ)، مولانا حکیم محمد حسنؒ (م ۱۳۴۵ھ)، مولانا حافظ احمد نانوتویؒ مہتمم (م ۱۳۴۷ھ)، مولانا مفتی عزیز الرحمنؒ (م ۱۷ جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ)، مولانا حبیب الرحمنؒ نائب مہتمم و استاذ (م ۱۳۴۸ھ)، مولانا محمد یٰسین شیر کوٹیؒ، مولانا گل محمد خانؒ (م ۱۳۵۵ھ)، اور دیگر اساتذہ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند حاصل کی۔ اس سال دورہ حدیث کے طلبہ کی تعداد ۳۳ تھی۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔

۱	مولانا سعید احمد سندھی	۷	مولانا عثمان در بھنگوی	۱۳	مولانا عماد الدین شیر کوٹی
۲	مولانا عبد الصمد اسلام آبادی	۸	مولانا سلطان علی بریلوی	۱۴	مولانا رسول خان بفوی ہزاروی
۳	مولانا کفایت اللہ	۹	مولانا محمد ضمیر اعظمی	۱۵	مولانا محمد عیسیٰ پنجابی
۴	مولانا عبد الکریم راولپنڈی	۱۰	مولانا تازہ دین	۱۶	مولانا عبد الحکیم اسلام آبادی
۵	مولانا محمد صدیق	۱۱	مولانا محمد اسحق بلیلاوی	۱۷	مولانا غلام رسول مظفر گڑھی
۶	مولانا فضل حق جہان آبادی	۱۲	مولانا نور محمد سندیبی	۱۸	مولانا حبیب اللہ کشمیری

۱۹	مولانا محمود عالم بہاری	۲۴	مولانا عبد الرزاق بنگالی	۲۹	مولانا عبد الہادی چاٹگامی
۲۰	مولانا حاتم احمد بنگالی	۲۵	مولانا فیض محمد	۳۰	مولانا شفیع الدین بنگالی
۲۱	مولانا عبد المجید بخاری	۲۶	مولانا علی اکبر	۳۱	مولانا واجد علی
۲۲	مولانا محمد یعقوب پشاوری	۲۷	مولانا سید فتح علی شاہ	۳۲	مولانا عبد الغفار اعظمی
۲۳	مولانا عبد الولی بنگالی	۲۸	مولانا فضل جان	۳۳	مولانا عبد الرحمٰن منی پوری

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد چند مدارس میں تدریس کی۔ آخر میں مدرسہ ''امداد الاسلام'' میرٹھ میں پانچ سال تک بطور صدر مدرس تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۳۳ھ / 1915ء کو دارالعلوم دیوبند میں بطور ''مدرس اعلیٰ'' آپ کا تقرر ہوا اور ۱۳۵۳ھ / ۱۹۳۳ء تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ دارالعلوم میں مدت تدریس ۲۱ سال بنتی ہے۔

ممتاز تلامذہ: آپ ۱۳۳۳۔۱۳۵۳ء تک اسی مادرِ علمی (دارالعلوم دیوبند) میں اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس عرصہ میں بخاری شریف کے علاوہ دورۂ حدیث میں شامل کتب حدیث مسلم، ترمذی، ابن ماجہ اور دیگر کتب حدیث کا درس دیا اور اس عرصہ میں ان سے دارالعلوم دیوبند کے ۱۶۴۳ طلبہ نے دیگر کتابوں کے علاوہ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ چند ممتاز تلامذہ کے نام درج ذیل ہیں:

- مولانا قاری محمد طیب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند
- مولانا محمد میاں صاحب، شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی
- مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دار لعلوم کراچی
- مولانا محمد یوسف بنوری، مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی
- مولانا شمس الحق افغانی، استاذ دارالعلوم دیوبند (سابقاً)
- مولانا حافظ محمد ادریس کاندھلوی، جامعہ اشرفیہ لاہور
- مولانا مفتی قاضی محمد زاہد الحسینی، دارالارشاد اٹک
- مولانا مفتی محمد حسن بانی جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور
- مولانا مفتی عبید اللہؒ سابق مہتمم اور شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور
- مولانا عبد الحق شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ، پشاور

- مولانا عبد الباری ندوی، صدر شعبۂ فلسفہ عثمانیہ یونیورسٹی (سابقاً)
- مولانا سید مغیث الدین چاند پوری
- مولانا عبد اللہ صاحب خانقاہ کندیاں ضلع میاں والی
- مولانا غلام غوث ہزاروی
- مولانا حافظ نور الحسن خان، سابق پروفیسر اورینٹل کالج لاہور
- پروفیسر مولانا عبد القیوم، دائرہ معارف اسلامیہ جامعہ پنجاب لاہور
- پروفیسر مولانا حافظ عبد القدوس صاحب، صدر شعبۂ اسلامیات جامعہ پشاور (سابقاً)
- مولانا خلیل الرحمن، شہاب خیل پشاور

آپ کے بارے میں مولانا محمد احمد قاسمیؒ مہتمم دار العلوم دیوبند لکھتے ہیں:

''مولوی صاحب زمانۂ وسطی کے فارغ التحصیل حضرات میں سے ہیں۔ بعد فراغت تحصیل علوم چند مدارس میں مدرس رہے۔ اب آخر میں چند سال سے میرٹھ صدر بازار کے عربی مدرسہ میں مدرس تھے اور آپ کی وجہ سے مدرسہ نہایت رونق پر تھا۔ اس سال یعنی ۱۳۴۳ھ میں ان کو یہاں بلا لیا گیا۔ مولوی صاحب ایک جامع معقول و منقول اور نہایت تجربہ کار، بااستعداد، صالح و متدین شخص ہیں۔ سب علوم مستحضر ہیں۔ تقریر نہایت صاف اور طرز بیان موثر و دل آویز ہے۔ طلبہ ان سے خوش رہتے ہیں۔ غرض دار لعلوم کے ممتاز مدرسوں میں سے ہیں''۔

سر محمد شفیع کی درخواست پر دار العلوم دیوبند سے پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور میں ۲۹ مئی ۱۹۳۵ء کو آپ کا تقرر ہوا اور بیس سال کی تدریس کے بعد ۱۹۵۴ء میں سبکدوش ہوئے۔ آپ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

''مولانا محمد رسول خاں، فاضل دیوبند، صدر مدرس عربی (۱۹۳۵۔ ۱۹۵۴ء) عربی زبان وادبیات کے فاضل محمد رسول خاں موضع ٹکری یاغستان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وتربیت یاغستان کی مساجد میں حاصل کی۔ یہ علاقہ انگریزی عہد میں آزاد قبائلی علاقہ کہلاتا تھا۔ تحریک خلافت کے زمانے میں مولوی رسول خاں دیوبند پہنچے اور مدرسۃ العلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ تکمیل تعلیم کے بعد مولانا رسول خاں مدرسۃ العلوم میں ہی معلّم مقرر ہو گئے۔ ۲۹ مئی ۱۹۳۵ء کو ان کا تقرر اورینٹل کالج میں بحیثیت مدرس عربی ہوا۔ مولانا رسول خاں تقریباً بیس سال تک اورینٹل کالج میں درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے رہے۔ ستمبر ۱۹۵۴ء میں سبکدوش ہوئے۔ سبکدوشی کے بعد مولانا رسول خان جامعہ اشرفیہ لاہور میں شیخ التفسیر مقرر ہوئے اور تاحال یہ خدمت سرانجام دے رہے ہیں''۔

حضرت مولانا مفتی حسن کی درخواست پر جامعہ اشرفیہ میں پہلے جز وقتی تدریس کرتے رہے۔ کالج سے سبکدوش ہونے کے بعد جامعہ اشرفیہ میں مستقلاً تدریس پر مامور ہوئے اور زندگی کے آخری لمحات تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔

جامعہ اشرفیہ کی شعبان کی چھٹیوں میں ''اچھڑیاں'' آئے۔ یکم رمضان ۱۳۹۱ھ کو آپ بیمار ہوئے اور ۴ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ بروز پیر / ۲۵ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو ۱۱ بج کر ۲ منٹ پر ''فاللہ خیر حافظاً وھو اَرحم الراحمین'' پڑھتے ہوئے آپ کا وصال ہوا۔ جرائد و مجلّات میں تعزیتی اداریے اور نوٹ شائع ہوئے۔ بعض رسائل میں مرثیے بھی شائع ہوئے۔

خبر وصال: ''شیخ الحدیث مولانا رسول خاں انتقال کر گئے۔ مرحوم کو آج اچھڑیاں میں سپرد خاک کیا جائے گا۔ لاہور کے جامعہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا رسول خاں اپنے آبائی گاؤں تحصیل مانسہرہ کے موضع ''اچھڑیاں'' بفہ میں وفات پا گئے ہیں۔ جماعت اسلامی کے بانی مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی نے کہا کہ ''مولانا رسول خاں نے تمام عمر دین کی خدمت کی اور ان کے شاگرد بڑے بڑے جید علماء ہیں''۔

کئی جرائد و مجلات نے دل کھول کر تعزیتی اداریے، نوٹ اور مرثیے شائع کیے۔ فات فیضک، فات فضل اور ورفعنا لک ذکرک سے مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ نے تاریخ ہائے وصال نکالی ہیں۔

اولاد: اولاد میں تین فرزند محمد عمران، محمد غفران اور محمد عرفان اور تین دختران شمس النساء، نور النساء اور خیر النساء ہیں۔ مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے آپ کی وفات پر یہ تحریر بھجوائی:

''آپ دارالعلوم کے مشاہیر فضلاء میں سے تھے۔ آپ نے ۱۳۲۳ھ میں دارالعلوم سے سند فراغت حاصل کی تھی۔ کئی سال مدرسہ امداد الاسلام دارالعلوم میرٹھ میں تدریسی خدمات انجام دیں اور ۱۳۳۲ھ میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس بنائے گئے۔ یہاں آپ نے منطق فلسفہ اور دوسرے علوم کے علاوہ درس حدیث بھی دیا ہے اور سینکڑوں مشاہیر علماء نے آپ سے علمی استفادہ کیا ہے۔ بعد ازاں آپ لاہور چلے گئے اور وہاں آخر دم تک جامعہ اشرفیہ سے وابستہ رہے اور صدر مدرس کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ آپ معقولات و منقولات کے امام مانے جاتے تھے۔ میرے اساتذہ میں سے تھے۔ علوم عقلیہ و نقلیہ کو طالب علم کی استعداد کے مطابق اس طرح سمجھاتے تھے کہ مسئلہ شاگرد کے ذہن نشین ہو جاتا تھا۔ آپ کا درس تفہیم کے لحاظ سے ممتاز سمجھا جاتا تھا۔ درسی تقریر جامع اور پر مغز ہوتی تھی۔ آپ وجیہہ باوقار تھے۔ تقریر کے وقت چہرے پر نور و وقار برستا تھا۔ طرز بیان صاف اور موثر ہوتا تھا اور اب ایسے عمیق علم و فہم کے حامل اور علوم دینیہ کے مبصر کہاں پیدا ہوں اور پیدا ہو بھی جائیں تو ذہن سابقین کی صحبت و معیت سے جو ان کا بنا تھا وہ کہاں سے لائیں گے۔

میرے اساتذہ میں صرف وہی باقی رہ گئے تھے اور بے حد شفیق استاذ تھے۔ اب وہ بھی ۳ر مضان ۱۳۹۱ھ کو واصل بحق ہو گئے۔ ان کے انتقال پر ملال کا علم ہو کر دل کو انتہائی صدمہ پہنچا اور ایک دفعہ تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا آ گیا۔ دارالعلوم میں اس سانحہ کی خبر سے اساتذہ و طلباء سب ہی متاثر ہوئے اور ختم شریف پڑھ کر ایصال ثواب کیا گیا۔ دارالعلوم پر ان کا یہ حق ہے کیونکہ آپ ایک طویل عرصے تک دارالعلوم کے احاطے میں فیض رساں رہے ہیں۔ حق تعالیٰ ہمیں ان کے امثال سے نوازے اور حضرت مرحوم کو اعلیٰ علیین میں مقامات بلند عطا فرمائے۔ آمین۔"

بیعت وسلوک: پہلی بیعت اپنے استاذ حضرت مولانا محمود حسن شیخ الہند کے ہاتھ پر ہوئی۔ ان کے وصال کے بعد مولانا اشرف علی تھانویؒ سے تعلق قائم ہوا۔ انھی سے روحانی اسباق کی تکمیل کی۔

حضرت تھانوی نے ۳ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء کو چاروں سلسلوں میں بیعت کرنے کی اجازت عطاء فرمائی۔ آپ کے مریدین کی تعداد دو ہزار سے متجاوز ہے۔ ان میں سے چند خوش نصیب حضرات کو آپ نے اجازتِ بیعت سے بھی نوازا۔

ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت مولانا محمد اشرف علی مدرس جامعہ امدادیہ کشور گنج مومن شاہی مشرقی پاکستان۔

۲۔ حضرت مولانا حافظ عبد الرحمن بن مولانا مفتی محمد حسن صاحب نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور

۳۔ حضرت مولانا حافظ عبد الوہاب صاحب مشرقی پاکستان ۴۔ حضرت مولانا مہتاب الدین صاحب مشرقی پاکستان

۵۔ حضرت مولانا انصار الدین صاحب مشرقی پاکستان ۶۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب مشرقی پاکستان

۷۔ حضرت مولانا محمود الحق صاحب مشرقی پاکستان ۸۔ حضرت مولانا نور الحق صاحب مشرقی پاکستان

آپ کو تدریس سے فرصت نہیں ملی، اس لیے کوئی تصنیف نہیں چھوڑی البتہ بعض کتابوں پر مقدمے اور تقاریظ لکھی ہیں۔ ان میں اپنے شاگرد مولانا عبد القادر ہزارویؒ فاضل دیوبند کی کتاب " تفريح الجنان في تفسير ام القرآن" مطبوعہ ۱۹۳۶ء، مولانا قاضی ظہور الحسن صاحب کی تصنیف "رسول کی تعلیم"، مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی کی کتاب "مفتاح العربیہ" پر شاندار تقاریظ لکھی ہیں۔[1]

---

[1] بریگیڈیئر ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمن: سوانح حضرت مولانا محمد رسول خان ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ: لاہور: ۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء: صفحہ ۱۶۲۔

نمونہء تقریظ

تفریح الجنان فی تفسیر ام القرآن مطبوعہ ۱۹۳۶ء از مولانا عبد القادر جامی ہزاروی پر حضرت الشیخ کی تقریظ ملاحظہ فرمایئے!

بسم اللہ الرحمان الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد!

علم تفسیر کے دیکھنے اور پڑھنے پڑھانے کی ضرورت کسی تمہید کی محتاج نہیں کیونکہ مسلمانوں کی ہر ترقی اسی قانون الٰہی کے دستور العمل بنانے سے ہوئی اور ہو گی، اس لیے مسلمان کسی حال میں علم تفسیر سے مستغنی اور بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اس احتیاج کو دیکھ کر دل میں گزرتا تھا کہ کم از کم سورہ فاتحہ کی تفسیر عام فہم اردو میں لکھی جائے تاکہ ہر خاص وعام اس سے متمتع ہو سکے۔ آج بحمد اللہ اس اہم مقصود کو مولانا مولوی محمد عبد القادر صاحب نے پورا کر کے ہر مسلمان کے ہاتھ میں شمع ہدایت دے دی، میں نے اس تفسیر کے کچھ اجزاء اور بعض بعض مقامات غور سے دیکھے، تفسیر مذکور ہر پہلو سے محبوب اور دلکش ہے اور اپنے موئلف کے کمالات کا آئینہ ہے۔ موئلف مذکور کو اللہ تعالی جزائے خیر عطا فرمائے اور مسلمانوں کو حق تعالی اس سے مستفید فرما کر دینی ودنیاوی ترقیات کا مرکز بنائے آمین! وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

حضرت شیخ نے قاضی ظہور الحسن صاحب کی تالیف کردہ کتاب "رسول کی تعلیم" پر (دورانِ صدر مدرّسی پنجاب یونیورسٹی اور نٹیل کالج لاہور) اظہار رائے فرمایا ہے۔ آپ کی یہ تقریظ سادہ، مختصر مگر نہایت مفید اور جامع ہے، کلمات کتاب ملاحظہ ہوں:

[تقریظ: استاذ العلماء جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا علامہ محمد رسول خان صاحبؒ پروفیسر اور نٹیل کالج لاہور، سابق استاذ دار العلوم دیوبند قدس سرہ۔]

الحمد للہ کفٰی وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی

میں نے کتاب "رسول کی تعلیم" سرسری طور پر دیکھی، مصنف علّام نے بچوں کی ذہنیت کے مطابق نہایت آسان اردو میں مختلف ضروری عنوانات کے ماتحت مفید باتیں جمع کر دی ہیں، اللہ تعالی مصنف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور مسلمان بچوں کو ان کی مبارک سعی سے فائدہ پہنچائے۔ آمین۔

محمد رسول خان

صدر مدرس شعبۂ عربی اور نٹیل کالج لاہور

مفتاح العربیہ (مصنفہ حضرت مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی) پر حضرت کی عالمانہ وفاضلانہ اور عجیب وغریب تقریظ:

حضرت مولانارسول خان صاحب صدر شعبہ عربی اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ

یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ اور حضور کی ازواج مطہرات مومنین کی روحانی مائیں ہیں اور مومنین ان کے روحانی بیٹے ہیں جس پر کہ وازواجہ امہاتہم مطابقۃ دال ہے، اس روحانی تعلق کی علۃ ایمان ہی ہے جو بالمؤمنین کے لفظ سے مستفاد ہوتی ہے اور یہ بھی اظہر من الشمس ہے کہ ہمارے روحانی والدین کی طبعی زبان سوائے عربی کے اور کوئی زبان نہیں پس ہمارے اس روحانی نسب کی لمّی دلیل اگر ایمان ہے تو انّی دلیل اس کی عربی زبان ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اسلامی اجتماعات میں مثل جمعہ وعیدین ونکاح وغیرہ خطبہ واذان اور تکبیرات عربی کے سوا اور کسی زبان میں مخاطبین کے عجمی ہونے کہ وجہ سے منقول نہیں، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عربی زبان کو شعائر اسلام سمجھتے تھے۔ تو اب تمام مسلمانوں کو ان حضرات کی جو عربی قواعد کی تسہیل کر کے ہمیں اپنے حقیقی نسب کے علامات اور لوازمات یاد دلاتے ہیں، بے حد قدر اور وقعت کرنی چاہیے۔ اس تسہیل کے سلسلہ میں بہت سے رسالے احقر کی نظر سے گزرے ہیں لیکن سب سے اعلی اور مفید تر "مفتاح العربیہ" کے وہ دوحصے ہیں جو کہ قاضی مولوی زین العابدین سجاد صاحب میرٹھی کے تالیف شدہ ہیں۔ اللہ تعالی ان رسالوں کو حسن قبولیت اور فاضل مؤلف کو جزائے حسن اور خلق اللہ کو نفع عظیم عنایت فرمائیں۔(۱)

---

(۱) بریگیڈیئر ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمن: سوانح حضرت مولانا محمد رسول خان ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ: لاہور: ۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء: نیز صفحہ ۱۶۳۔۱۶۶

احوالِ مرتّبِ جوامع الرّسول

میرا نام غلام مصطفیٰ بن سعید خان (رحمہ اللہ) ہے۔ میری ولادت قریباً سن ۱۹۴۰ء کی ہے، اور جائے پیدائش پونیال کا علاقہ "بوبر" ضلع غذر گلگت بلتستان ہے، جو شمالی علاقہ جات کے خوبصورت علاقوں میں سے ایک اور گلگت شہر سے ساٹھ ستر کلو میٹر کی مسافت پر گلگت چترال روڈ پہ واقع ہے۔

میرے والد جناب سعید خان مرحوم کا شمار علاقہ کے شرفاء اور متمول افراد میں ہوتا تھا۔ بنیادی شغل زمیندارہ تھا۔ والد مرحوم جہاں اللہ تعالیٰ کی ظاہری نعمتوں (دیہاتی علاقوں کی خوشحالی جیسے کاشت کے لیے زمین، چراگاہیں، بھیڑ بکریاں وغیرہ) سے مالامال تھے وہیں دینداری سے بھی مزیّن تھے، ہر چیز کی زکوٰۃ باقاعدگی سے نکالتے تھے۔ قربانی وغیرہ بہت اہتمام سے فرماتے تھے۔ مسجد گھر سے کافی دور ہونے کے باوجود نمازِ فجر بھی مسجد ہی میں باجماعت اداء فرماتے تھے۔ اسی طرح صلہ رحمی اور خدمتِ خلق کا جذبہ بھی ان کی شخصیت کا لازمہ تھا۔ ضرورت مندوں کو ہل جوتنے کے لیے بیل چاہئے ہوں یا کاشت کاری کے لیے بیج، مہمانوں کی بے لوث خدمت گاری ہو یا موسمی میوہ جات کی فراخ دلانہ تقسیم، مسافروں کے ساتھ حسن و سلوک ہو یا رشتہ داروں سے صلہ رحمی، بحمد اللہ تقریباً ہر کارِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی کوشش کرتے تھے۔

یہی وجہ تھی کہ جو مقامی لوگ یا حاجتمند افراد ان سے وابستہ تھے وہ بھی ان کی خدمت گاری میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے تھے۔ کھیتی باڑی، چکی پسائی اور پھل اتروائی کی خدمت ہو یا دیگر کام، اہلِ علاقہ تمام معاملات میں خوشدلی سے معاونت کیا کرتے تھے۔

میرے دادا کا انتقال چوں کہ والد مرحوم کے بچپن ہی میں ہو گیا تھا، اس وجہ سے انھوں اپنے ننھیال کے ہاں جو گلاپور (ضلع غذر گلگت بلتستان) کا ایک دینی و دنیاوی لحاظ علمی گھرانہ تھا؛ میں پرورش پائی، وہیں پلے بڑھے اور شادی بیاہ و صاحبِ اولاد ہونے کے بعد واپس اپنے آبائی علاقے بوبر منتقل ہوئے۔

ہماری قوم" منے " یشکن قبائل میں سے ہے۔ جو بحمد للہ اس خطے کے معروف اور صاحبِ حیثیت خاندانوں میں سے ایک ہے۔ والد مرحوم خاندان میں بڑا مقام رکھتے تھے۔ انھوں نے دو شادیاں کی تھیں، پہلی بیوی سے ایک بیٹا رحمت شریف خانؒ اور چار بیٹیاںؒ تھیں۔ ان کی وفات پر دوسری شادی میری والدہ مرحومہ بی بی عائشہؒ سے کی جن سے میں ایک ہی بیٹا یعنی غلام مصطفی حیات ہوں، (باقی اولاد بچپن میں وفات پا گئی تھی)۔

بی بی عائشہ مرحومہ شیخ عبید اللہ نور اللہ مرقدہ (جن کا تعلق گلمتی پونیال غذر سے تھا) کی چھوٹی بیٹی تھیں۔ شیخ عبید اللہ ۱۸۵۶ء میں ضلع غذر کے گاؤں گلمتی پونیال میں پیدا ہوئے تھے۔

شیخ عبید اللہؒ، راجہ گوہر امانؒ کے بیٹے والیٔ یاسین راجہ پہلوان کے خصوصی احباب میں سے تھے۔ راجہ گوہر امانؒ کے چچا کا نام سلیمان شاہؒ تھا، جو حضرت سیّد احمد شہید رحمہ اللہ کے اعوان وانصار میں سے تھے۔ شیخ عبید اللہؒ ایک عرصے تک ان کی سپاہ میں بطور ذمہ دار افسر خدمات انجام دیتے رہے تھے۔

انتہائی جری ہونے کی وجہ سے " کھنگر پھٹو " تلوار توڑنے والا کے نام سے معروف تھے۔ جب راجہ پہلوان کو خاندان کے باہمی رقابت اور جنگ وجدل کے سبب علاقہ چھوڑنا پڑا تو شیخ عبید اللہؒ بھی ان کے ہمراہ کابل چلے گئے تھے، جہاں ان کی ملاقات والیٔ افغانستان امیر عبدالرحمٰن سے ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ امیر عبدالرحمان شیخ عبید اللہؒ کی شخصیت سے کافی متاثر ہوئے تھے۔

کچھ عرصہ وہاں قیام کے بعد واپسی پر دونوں سرحد (موجودہ صوبہ خیبر پختونخوا) کے علاقے سوات پہنچے، جہاں مشہور روحانی شخصیت میاں گلؒ کے والد محترم اخوند بابا رحمہ اللہ کی مریدی اختیار کی۔ کچھ عرصہ سوات، تانگیر میں گزارنے کے بعد واپس اپنے آبائی گاؤں گلمتی آ گئے۔ اس وقت پونیال میں راجہ اکبر خان کی حکومت تھی، جو شیخ کو عزت واکرام کی نظر سے دیکھتے تھے، شیخ عبید اللہؒ کا ان سے بھی خاص تعلق رہا ہے۔

زندگی کے آخری ایام انھوں نے آبائی علاقے گلمتی میں عبادت وریاضت میں گزارے اور وہیں ۱۹۱۶ء میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ شیخ عبید اللہ کی تیسری بیوی سے جو اولاد ہوئی اس سے نسل آگے پھیلی ہے۔ شیخ کے پانچ بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ بیٹوں کے نام: ۱۔ مولانا عبد الخالقؒ ۲۔ عبد الواحدؒ ۳۔ مولانا قاضی عبد الرزاقؒ ۴۔ عبد القیومؒ ۵۔ عبد الباقیؒ تھے۔ اور چار بیٹیاں تھیں، جن کے نام: ۱۔ بی بی خدیجہؒ ۲۔ بی بی حواؒ ۳۔ بی بی حدیثہؒ اور چوتھی بی بی عائشہؒ یعنی میری والدہ محترمہ تھیں۔ والدہ چونکہ ایک علمی خاندان سے تھیں، اس لیے میرے تعلیم وتعلم میں ان کی بے حد دلچسپی تھی۔ باوجود اکلوتی اولاد ہونے، اور بیمار رہنے کے انھوں نے مجھ سے جدائی تو برداشت کر لی مگر تحصیل علم سے ایک لمحہ پیچھے ہٹنا گوارا نہیں کیا۔

والد صاحب کی وفات ۱۹۶۶ء میں ہو گئی تھی اور والدہ صاحبہ بھی ۱۹۷۰ء میں چل بسیں۔ اور اتفاق یہ ہے کہ میں دونوں کی وفات کے موقع پر گھر سے دور کراچی یا پنجاب میں تحصیل علم میں مشغول تھا۔ اللہ تعالیٰ انھیں اور تمام مومنین ومومنات کو غریقِ رحمت کرے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے۔ آمین

میری ابتدائی تعلیم اپنے آبائی علاقے بوبر ہی میں ہوئی تھی اور باقاعدہ تعلیم کا آغاز گلاپور ضلع غذر سے ہوا۔ ناظرہ قرآن مجید گلاپور میں مکمل کیا تھا، یہ میری بلوغت کا اولین زمانہ تھا۔ اسکول چوتھی جماعت تک گلاپور میں ہی پڑھتا رہا۔ ناظرہ عبدالحلیم ماسٹر مرحوم کے والد بلبل خان صاحب رحمہ اللہ سے پڑھا جو میرے والد سعید خان مرحوم کے سگے ماموں شکر مند مرحوم کے بیٹے تھے، یعنی استاذ صاحب رشتے میں میرے چچا تھے۔ چچا جان اپنے گھر میں ہی ہمیں قرآن مجید پڑھاتے تھے۔

میرے یہ چچا عالم دین بھی تھے، علاقہ کوہستان کی طرف سے علوم دینیہ حاصل کیے تھے۔ اس وقت راجہ خاندان سرکاری اسکول بنانے کی موافقت میں نہیں تھا۔ ان مشکل حالات میں خان ماسٹرؒ نے ذاتی طور پر اسکول بنایا تھا، پھر وقت گزرنے کے ساتھ حکومت نے اسکول کی اجازت دی۔ راجہ خاندان نے خان صاحب کی جس درسگاہ کو نظر انداز کر رکھا تھا اسے باقاعدہ اسکول کی شکل دیدی گئی۔ آج گلاپور میں انھی کی محنتوں کے سبب علماء کرام اور عصری تعلیم یافتہ افراد کثرت سے موجود ہیں اور اپنے اپنے میدانوں میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ جزاہ اللہ خیراً

پھر میں مزید تعلیم کے لیے حضرت مولانا قاضی عبدالرزاق رحمہ اللہ (فاضلِ دیوبند و تلمیذِ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ) کے پاس گلگت شہر چلا گیا۔ قاضی صاحبؒ میرے سگے ماموں تھے۔ قاضی صاحب کے پاس تقریباً دو سال گزارے، حضرت قاضی صاحبؒ کے پاس بھی قرآن مجید ناظرہ پڑھا، الحمد للہ قرآن مجید اور بنیادی دینی تعلیمات وہ خود پڑھایا کرتے تھے۔ گلگت میں باقاعدہ تعلیمی سلسلہ جاری نہ رکھنے کے سبب مجھے دو سال بعد دوبارہ گلاپور واپس آنا پڑا۔

خان ماسٹر صاحبؒ کے اسکول میں زیر تعلیم رہنے کے دوران حضرت مولانا اکبر گل رحمہ اللہ (جو فاضل دیوبند تھے اور دیوبندی مولانا کے نام سے معروف تھے) نے خان ماسٹر صاحبؒ کے اسکول کے غالباً آٹھ لڑکوں کو دارالعلوم کراچی میں پڑھنے کے لیے لے جانے کا بندوبست کیا۔ میں نے ان سے بذاتِ خود گزارش کی تھی کہ مجھے بھی حصولِ تعلیم کے لیے لے جائیں، میری درخواست قبول ہوئی اور وہ مجھے بھی ساتھ لے گئے۔ جس وقت ہم حصولِ تعلیم کے لیے جارہے تھے تو شاہراہ ریشم ابھی تعمیر نہیں ہوئی تھی۔ گلگت ایئرپورٹ سے جہاز میں سفر ہوا اور راولپنڈی ایئرپورٹ پر اترے، جہاز کا کرایہ صرف تین روپے تھا۔ اسلام آباد ایئرپورٹ سے جامعہ تعلیم القرآن راولپنڈی میں حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب نوراللہ مرقدہ کے مدرسہ میں ورود ہوا۔ اس وقت حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ مدرسہ تعلیم القرآن کے مہتمم تھے۔ معروف علماء میں سے یہ پہلی شخصیت تھی جن سے ہماری ملاقات ہوئی، اور ان سے بعد میں دورانِ طالبعلمی میں نے دورہء تفسیر بھی کیا۔ دو دن اس مدرسہ میں قیام کے بعد بذریعہ ریل کار ہم دارالعلوم کراچی پہنچے۔ تب دارالعلوم کراچی کے مہتمم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ اور ناظمِ تعلیمات حضرت مولانا نور محمد صاحب رحمہ اللہ تھے جو

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ کے داماد بھی تھے۔ حضرت مفتی رفیع عثمانی اور حضرت مفتی تقی عثمانی مد ظلہما اس وقت زیرِ تعلیم تھے۔ یہ ۱۹۵۸ء کا زمانہ تھا، اور جنرل ایوب خان پاکستان کے صدر تھے۔

مولانا اکبر گل مرحوم نے عصری علوم کے کسی امتحان کے سلسلے میں ایک سال بنوری ٹاؤن میں قیام فرمایا۔ دارالعلوم کراچی کے تقریباً سبھی اساتذہ مولانا اکبر گل رحمہ اللہ کے ہم سبق تھے۔ اس لیے تمام اساتذہ کرام نے ہماری بہت حوصلہ افزائی فرمائی اور خیر مقدم کیا۔ اس وقت حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے مولانا اکبر گل رحمہ اللہ سے اپنے مدرسے میں ترمذی شریف پڑھانے کو کہا تھا لیکن وہ نہیں مانے اور گلگت واپس چلے گئے۔

کراچی پہنچتے ہی مولانا اکبر گلؒ نے ہم سب کو ناظم تعلیمات حضرت مولانا نور محمد صاحبؒ کے حوالہ کر دیا تھا، انھوں نے ہم سب کو ایک ہفتہ دفتر میں بطورِ اکرام رکھا۔ کچھ عرصہ بعد چار لڑکے تو واپس چلے گئے اور ہم چار باقی رہ گئے۔ مولانا عبد الصبور مولانا محمدؐ صادق صاحب اور مولانا عبد القیوم (رحمہ اللہ) میرے ساتھ تھے۔

ہم میں سے تین افراد درجہء اولیٰ میں داخل ہوئے اور مولانا عبد القیومؒ چوں کہ عمر میں چھوٹے تھے اس لیے انھیں درجہء حفظ میں داخلہ ملا اور علومِ دینیہ کی تکمیل کے بعد وہ مکۃ المکرمہ چلے گئے اور ام القریٰ یونیورسٹی سے منسلک ہوئے۔ وفات تک وہیں رہائش اختیار کیے رکھی۔ اور میں نے درجہ اولیٰ سے درجہ سادسہ تک دارالعلوم کراچی ہی میں تعلیم حاصل کی تھی۔ اس وقت دارالعلوم کراچی کے سرپرست علماء اور چیدہ چیدہ اساتذہ درج ذیل تھے:۔

۱۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ مفتیءاعظم پاکستان

۲۔ حضرت اقدس مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ

۳۔ حضرت مولانا اکبر علی صاحب رحمہ اللہ (ہندوستان کے فارغ التحصیل تھے)۔

۴۔ حضرت مولانا سبحان محمود صاحب رحمہ اللہ (دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے)۔

۵۔ حضرت مولانا شمس الحق رحمہ اللہ (جامعہ اشرفیہ کے حضرت مولانا محمدؐ یعقوب رحمہ اللہ کے ہم سبق تھے)۔

۶۔ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ (صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان و مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی)

۷۔ قاری رعایت اللہ صاحب رحمہ اللہ (دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کی وفات کے بعد دارالعلوم کے سرپرست مقرر ہوئے۔)

۸۔ مولانا خورشید عالم صاحب رحمہ اللہ (یہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے بھتیجے تھے اور واپس ہندوستان چلے گئے تھے)

۹۔ حضرت مولانا عبد الحق صاحب رحمہ اللہ (فنون میں پختگی کے لیے انھی کے مشورہ سے قاسم العلوم ملتان آنا ہوا)۔

درجہ سادسہ کے بعد جامعہ قاسم العلوم ملتان (پنجاب) میں داخلہ لیا اور علوم آلیہ فنون کی کتابوں کی تکمیل کی۔ ایک سال مکمل فنون کی کتابیں پڑھیں اور یہ سن ۱۹۶۴ء کا زمانہ تھا۔ حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ اس مدرسہ میں شیخ الحدیث بن کر آئے تھے۔ دیگر اساتذہ کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ (قاسم العلوم کے مہتمم تھے)

۲۔ حضرت مولانا محمد موسیٰ خان صاحب رحمہ اللہ (بعد میں جامعہ اشرفیہ تشریف لے آئے تھے)

۳۔ حضرت مولانا عبد القادر صاحب رحمہ اللہ ۴۔ حضرت مولانا محمد عظیم صاحب رحمہ اللہ

اسی طرح پنجاب میں دورانِ تعلیم شیخ التفسیر وحافظ الحدیث حضرت مولانا عبد اللہ درخواستی صاحب رحمہ اللہ کے ہاں دورہء تفسیر پڑھنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی تھی۔ حضرت رحمہ اللہ کے ہاں تفسیر القرآن بالقرآن اور تفسیر القرآن بالحدیث پر زیادہ توجہ ہوتی تھی۔ درجہ سابعہ (موقوف علیہ) اور دورہ حدیث شریف کے لیے میں نے سن ۱۹۶۵ء تا ۱۹۶۶ء پنجاب کے معروف شہر لاہور کی مایہء ناز علمی درسگاہ جامعہ اشرفیہ لاہور میں داخلہ لیا۔ اس وقت جامعہ اشرفیہ میں حضرت مولانا عبید اللہ رحمہ اللہ مہتمم اور حضرت مولانا عبد الرحمان اشرفی رحمہ اللہ نائب مہتمم تھے۔

میں تعلیمی سفر کے لیے حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ شیخ الحدیث دارالعلوم کراچی، جو صحیح بخاری خود پڑھاتے تھے کی اجازت سے ہی کراچی سے پنجاب منتقل ہوا تھا۔

جامعہ اشرفیہ میں ترمذی شریف کا درس شیخ الحدیث حضرت مولانا محمّد رسول خان ہزاروی رحمہ اللہ دیتے تھے اور بخاری شریف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمّد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ پڑھایا کرتے تھے۔ اور سن ۱۹۶۶ء میں دورہء حدیث مکمل کر کے جامعہ اشرفیہ لاہور سے مجھے سند فراغت حاصل ہوئی۔ الحمد للہ میری یہ سند عالی ہے اور اونچے درجے والی اسناد میں سے ہے۔ اور اس دور میں اساتذہ سند کے ساتھ ایک باقاعدہ تدریسی اجازت نامہ بھی عنایت فرماتے تھے۔ جو طالب علم کے لیے مزید سعادت کی بات ہوتی تھی۔ جیسے میری سند میں "جيد الفهم اهل للافادة والتدريس" درج ہے۔ ہمارے دورانِ سبق جامعہ اشرفیہ کے معروف اساتذہء کرام یہ تھے:۔

۱۔ حضرت مولانا محمد رسول خان صاحب ہزاروی رحمہ اللہ (ترمذی شریف)

۲۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب رحمہ اللہ (بخاری شریف)

۳۔ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی صاحب رحمہ اللہ ۴۔ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب رحمہ اللہ

۵۔ حضرت مولانا غلام مصطفی صاحب رحمہ اللہ (یہ مولانا محبّ النبی مدّ ظلہ دارالعلوم مدنیہ والوں کے چچا تھے)۔

۶۔ حضرت مولانا عبد الرحمن اشرفی صاحب رحمہ اللہ ۷۔ حضرت مولانا محمّد یعقوب صاحب رحمہ اللہ

اور جامعہ اشرفیہ سے فراغت کے فوراً بعد دوبارہ کراچی کا سفر ہوا، یہ سفر تخصص فی الافتاء کے لیے تھا۔

دارالافتاء والارشاد ناظم آباد میں داخلہ لیا۔ یہ حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہء مجاز حضرت مولانا عبد الغنی پھولپوری رحمہ اللہ کی خانقاہ تھی، جہاں حضرت پھولپوری رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ان کے مریدین کے اصرار پر حضرت مفتی رشید احمد رحمہ اللہ یہاں منتقل ہوئے تھے۔ حضرت مفتی رشید احمد لدھیانویؒ حضرت پھولپوریؒ کے اجلّ خلفاء میں سے تھے۔

دارالافتاء میں تخصص فی الافتاء کی باقاعدہ ترتیب پاکستان میں حضرت مفتی رشید احمدؒ نے ہی متعارف کرائی تھی۔ اس وقت کراچی سمیت کسی بھی مدرسہ میں ایسا مستقل کوئی سلسلہ نہیں تھا۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے افتاء کا باقاعدہ نصاب مرتب کیا اور حضرت والا رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت کبار علمائے کرام دنیا سے اٹھتے جا رہے ہیں اور افتاء کا شعبہ وقت گزرنے کے ساتھ کمزور ہوتا چلا جائے گا۔ اس لیے ایک ایسے ادارہ کی اشد ضرورت ہے جہاں یہ شعبہ باقاعدہ فعّال ہو۔ حضرت کے اس طرز کے آغاز کے بعد رفتہ رفتہ دیگر مدارس میں بھی یہ شعبہ فعّال ہوتا چلا گیا۔

سن ۱۹۶۷ء کا دور تھا جب میں نے دارالافتاء میں داخلہ لیا تھا اور اس وقت تعلیمِ افتاء کا دورانیہ ایک سال تھا۔ حضرت مفتی صاحبؒ بذاتِ خود تمام کتابیں پڑھاتے اور فتاویٰ شامی و بہشتی زیور کا مطالعہ کروایا کرتے تھے۔ شروع میں بہشتی زیور کے کچھ اسباق ہمیں پڑھائے اور بعد میں فرمایا کہ اس کا خود سے خوب مطالعہ کیا کریں۔ بہشتی زیور کے متعلق فرماتے تھے کہ اسے محض اردو کی آسان سی کتاب مت سمجھیں، یہ کتابِ فقہ علمائے برصغیر کی متفق علیہ کتاب ہے۔ او کما قال

اس کے ساتھ ساتھ حضرت مفتی رشید احمد رحمہ اللہ اصلاحی تربیت پر بہت زور دیا کرتے تھے۔ اور میرا اصلاحی تعلق تو زمانہء طالبعلمی سے حضرت رحمہ اللہ سے تھا، لیکن باقاعدہ بیعت حضرت مفتی رشید احمد رحمہ اللہ سے دوران افتاء ہوئی۔ میرا معمول تھا کہ مدارس کے چھٹیوں میں زیادہ وقت حضرت والا کی خانقاہ میں گزارتا تھا۔

بیعت و سلوک کے اس سفر میں چھے سال گزر جانے کے بعد حضرت والا رحمہ اللہ نے خلافت سے نوازا اور اصلاح و تربیت کے لیے بیعت کی اجازت عطاء فرمائی۔ الحمدللہ علیٰ ذالک

اس روحانی سلسلہ میں میرے مربی و مرشد حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ ہیں اور ان کے شیخ حضرت مولانا عبد الغنی پھولپوری رحمہ اللہ تھے۔ اور ان کے شیخ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اور ان کے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ تھے۔ اس سلسلہء مبارکہ میں چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ چاروں طریق میں بیعت لی جاتی ہے لیکن خاص تربیتی ذوق چشتی ہے اور اس انداز سے تربیت کرنا حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ سے چلا آرہا ہے۔

اصلاحی مجالس و بیعت کا سلسلہ حضرت مفتی رشید احمد رحمہ اللہ سے خلافت ملنے کے بعد سے جاری و ساری ہے۔ الحمد للہ تاحال علماء و طلبہ، مجاہدینِ کرام، دیندار عوام الناس کے قلوب من جانب اللہ متوجہ ہیں اور دین کا یہ کام اللہ تعالیٰ لے رہے ہیں۔ربنا هب لنا من ازواجنا وذرّيّتنا قرّة اعين واجعلنا للمتقين اماما۔ اور میری دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے شیخ کی اولاد میں خصوصاً جو حیات ہیں مولانا مفتی خلیق احمد و مولانا مفتی شفیق احمد سلمہما اللہ کو اپنے والد کا حقیقی جانشین بنائے اور اس سلسلے کے شیوع کا ذریعہ بنائے۔ آمین بحرمۃ النبی الکریم ﷺ

حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ سے تکمیل افتاء کے بعد وطن واپس جانا ہوا اور سن ۱۹۶۹ء میں میرا قیام اپنے آبائی وطن گلگت ہی میں رہا۔ لیکن یہاں درس و تدریس کے لیے حالات ناموافق پاکر کراچی جانے کا ارادہ ہوا۔ اسی دوران حضرت مولانا مفتی محمدّ شفیع صاحب رحمہ اللہ نے کراچی سے تدریس کے لیے طلب فرمایا اور سفری کرایہ بھی ارسال فرمایا۔ دارالعلوم میں ابتدائی اسباق کا تعین بھی ہو گیا تھا۔، میں نے رختِ سفر باندھا اور اگلی منزل کے لیے روانہ ہو گیا۔

[یہاں ایک بات انتہائی قابلِ ذکر و قابل تشکر و احسان ہے کہ میرے اس تعلیمی سفر میں میرے ماموں عبد الواحد بن شیخ عبید اللہ رحمہا اللہ کے دو بیٹوں اور ان کی بیگمات نے میرا بھرپور ساتھ دیا، وگرنہ تعلیمی سفر جاری رکھنا میرے لیے انتہائی مشکل تھا۔ جناب غلام واحد صاحب مد ظلہ اور ان کی اہلیہ محترمہ زرین رحمہا اللہ (جو بعد ازاں میرے سسر، ساس بنے) اور جناب غلام حسین صاحب رحمہ اللہ اور ان کی اہلیہ صفت نگار رحمہا اللہ نے نہ صرف میری جائیداد کو سنبھالا، ترقی دی بلکہ میری بیمار والدہ کی تیمارداری و خدمت اس خلوص و صدقِ دل سے کی کہ میں ساری زندگی ان کا بدلہ نہیں چکا سکتا۔ ان شاء اللہ عزّ وجلّ بروز قیامت پروردگار ان کی مساعی جمیلہ کو قبولیت سے نوازے گا اور اپنے شایانِ شان اجر عطاء فرمائے گا۔ خصوصاً یہ حضرات والد صاحب کی ۱۹۶۶ء اور والدہ صاحبہ کی ۱۹۷۰ء میں وفات کے بعد اتنی توجہ سے میری آمدن و تعلیمی اخراجات کا بندوبست کرتے رہے کہ شاید کسی نے اپنی سگی اولاد کا بھی اتنا خیال نہ کیا ہو۔ ان میں سے ابھی میرے سسر جناب غلام واحد صاحب جو الحمد للہ ابھی بقیدِ حیات ہیں اور میرے شیخ حضرت مفتی رشید احمد رحمہ اللہ سے بیعت بھی ہیں۔ اللہ پاک ان کا سایہ تادیر ہم پر سلامت رکھے اور مجھے، میری اہلیہ و بچوں اور ان کے بچوں کو ان کی خوب خوب خدمت کی توفیق سے نوازے۔ اور میرے والدین سمیت جو رشتہ دار دوست احباب، محبین و مجاہدین وفات / شہادت پاگئے ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کی مغفرتِ کاملہ فرمائے اور جنت الفردوس میں ہم سب کو اپنے نبی کریم ﷺ کے طفیل جمع فرمائے، اور جو مجبور و مقہور ہیں انھیں خلاصی نصیب فرمائے۔ آمین]

کراچی جانے کے لیے لاہور آیا تو اپنے ماموں حضرت مولانا قاضی عبد الرزاق فاضلِ دیوبند رحمہ اللہ کے داماد مولانا لطیف الرحمٰن رحمہ اللہ فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے ملاقات کے لیے جانا ہوا۔ میرا ارادہ فقط ملاقات تھا، تدریس کے لیے کراچی کا سفر طے تھا لیکن دور ہونے کی وجہ سے کچھ تذبذب کا شکار بھی تھا۔

ادھر مولانا لطیف الرحمٰن رحمہ اللہ اور کوہستان کے ایک ہر دلعزیز عالمِ دین مولانا عبد الحی رحمہ اللہ کی خواہش تھی کہ ان حضرات کے نئے قائم کردہ مدرسہ جامعہ ضیاء العلوم بیگم پورہ شاہی مسجد لاہور میں ہی رک جاؤں۔ بلآخر ان کے اصرار اور دوری کے خیال پر کراچی جانے کا ارادہ ملتوی ہوا، یہیں رک گیا اور دارالعلوم کراچی معذرت نامہ ارسال کر دیا۔

جامعہ ضیاء العلوم سے میرے تدریسی سفر کا باقاعدہ آغاز ہوا، اور تقریباً ۳۰ سال اسی مدرسہ میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رہا تھا۔ جامعہ کے مہتمم مولانا لطیف الرحمٰن رحمہ اللہ سے پرانا تعلق یوں تھا کہ ایک تو وہ ہمارے گلگت کے ہم وطن اور دوسرے رشتے دار تھے۔ یہ جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک سے فراغت کے بعد سن ۱۹۶۶ء کو جو میرے دورہ ٔ حدیث کا سال تھا قریباً چھ ماہ میرے پاس جامعہ اشرفیہ لاہور میں قیام پذیر رہے۔ اسی عرصے میں میرے ایک ہم سبق مانسہرہ کے طالب علم تھے، جن کے چچا جو خود بھی عالمِ دین تھے اور لاہور کی مایک مرکزی مسجد کے امام و خطیب تھے کے ذریعے مولانا لطیف الرحمن ؒ کا تقرر بیگم پورہ لاہور کی شاہی مسجد میں ہوا، جو اب جامعہ ضیاء العلوم کے نام سے معروف ہے۔

اور اس مدرسہ کے قیام اور ترقی میں کوہستان کے معروف عالم دین حضرت مولانا عبد الحی صاحب رحمہ اللہ کا بڑا کردار تھا، انھوں نے کوہستان سے طلبہ کو لا کر یہ مدرسہ آباد کیا۔ تمام طلبہ کے قیام و طعام اور تدریسی کتابوں کے بندوبست میں وہ پیش پیش تھے، اس دور میں شاہی مسجد کی امامت مولانا لطیف الرحمن رحمہ اللہ کے ذمہ تھی اور خطیب بلال پارک سنگھ پورہ کے قاری صدیق صاحب تھے۔ بعد میں امامت و خطابت اور مدرسہ کا اہتمام کام مولانا لطیف الرحمٰن ؒ کے ذمہ ہوا۔

[اور تحدیث بالنعمۃ کے طور پر حج کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ سن ۱۹۹۲ء میں اللہ تعالیٰ نے مجھے اور اہلیہ محترمہ (جو میرے ماموں زاد غلام واحد کی بڑی بیٹی ہیں) کو اللہ تعالیٰ نے حج بیت اللہ کی توفیق سے نوازا۔ غلام واحد صاحب کے بڑے بھائی میر واحد اور چھوٹے بھائی غلام حسین رحمہا اللہ بھی اس سفر میں ہمارے ساتھ تھے۔ نہ صرف ہم نے حج کیا بلکہ اس حج میں میری والدہ اور والد کے حجِ بدل کا بھی اللہ تعالیٰ نے انتظام فرما دیا۔]

واقعہ اس طرح ہوا کہ میرا مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ جو حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کا قائم کردہ تھا اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ ان کے معاونین میں سے تھے؛ میں جانا ہوا۔ وہاں ایک سائل نے مسئلہ پوچھا کہ میری اہلیہ کا انتقال ہو گیا ہے، کیا ان کی طرف سے حج ممکن ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر آپ حجِ بدل کے اخراجات

چھ سو ریال یہاں جمع کرا دیں تو انتظام ہو سکتا ہے۔ میں نے یہ سنتے ہی فوراً اپنی والدہ مرحومہ کی طرف سے حجِ بدل کے لیے چھ سو ریال جمع کرا دیے۔ اور والد مرحوم کے حجِ بدل کا اللہ تعالیٰ نے ایسے انتظام فرمایا کہ ہمارے عزیز عبد الحلیم ماسٹر مرحوم کے چھوٹے بھائی مولانا محبوب اللہ سلمہ جو اس وقت مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے، ان سے میں نے گزارش کی کہ براہ کرم میرے والد کی طرف سے آپ حجِ بدل فرمادیں۔ وہ بحمد اللہ راضی ہو گئے (جزاہ اللہ خیرا احسن الجزاء) اور اللہ کے فضل و کرم سے اس سفر میں والدین کا حج بھی بطورِ انعام نصیب ہو گیا۔

اس سفر میں مولانا محبوب اللہ سلمہ اللہ اور مولانا عبد القیوم رحمہ اللہ سمیت جن جن حضرات نے ہماری خدمت کی اور جو کچھ بھی تعاون فرمایا؛ اللہ پاک انھیں دنیا و آخرت میں خوب خوب جزائے خیر سے نوازے۔]

آمدم بر سرِ مطلب کہ میرا تدریسی تعلق تقریباً تیس برس تک جامعہ ضیاء العلوم بیگم پورہ لاہور سے رہا اور بعض تکلیف دہ وجوہات کی بناء پر منقطع ہوا۔ اس کے بعد سے الحمدللہ جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور میں خدمتِ افتاء پر مامور ہوں۔ سابق مہتمم حضرت مولانا عبید اللہ رحمہ اللہ کی خصوصی عنایات رہیں، موجودہ مہتمم حضرت مولانا فضل الرحیم مدظلہ کی مہربان توجہ اور نائب مہتمم حضرت مولانا قاری ارشد عبید مدظلہ کی محبت ہمیشہ شاملِ حال رہتی ہے۔ جزاہم اللہ خیراً

اس دوران اپنے مربی و مرشد حضرت مفتی رشید احمد تھانوی رحمہ اللہ کے پاس جانا ہوا، اور حضرت والا رحمہ اللہ کو تدریسی انقطاع کی مکمل روداد سنائی تو حضرت والاؒ نے فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ سے کوئی بڑا دینی کام لینا چاہتے ہیں، (لہٰذا فکر مند نہ ہوں!)۔ اس وقت دار الافتاء والارشاد سے ہفتہ وار ضرب مومن اخبار کی اشاعت ہوتی تھی۔ یہ جریدہ حضرت والاؒ کی سرپرستی میں کراچی میں شائع ہوتا تھا، پنجاب میں حضرت والا نے میری ذمہ داری لگائی۔ واپس لاہور آنے کے بعد پورے پنجاب میں اس کی بھرپور اشاعت ہوئی۔

حضرت والا کا دینی فیض اور روحانی و اصلاحی تربیت کا سلسلہ اللہ کے فضل سے پنجاب میں خوب عام ہوا اور مجھے اللہ پاک نے ذریعہ بنایا اور سینکڑوں لوگ منکرات سے تائب ہو کر دین کی طرف متوجہ ہوئے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے جہاد کشمیر و افغانستان اور امت مسلمہ کی فلاح و بہبود کے لیے جاری فلاحی اور رفاہی کاموں میں خوب خوب خدمت کا موقع عنایت فرمایا اور مجاہدین کرام، بیواؤں یتیموں اور مساکین کی دعائیں سمیٹنے کا موقع عنایت فرمانے کے ساتھ ساتھ ہمارے بڑے سے چھوٹے مولوی حافظ وھب اللہ رحمہ اللہ کو اپنی بارگاہ سے شہادت کی نعمت عطاء فرمائی، اللہ پاک اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے۔ آمین

میرے کل چھ بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں، بیٹوں کے نام بالترتیب: ۱۔ عطاء اللہ ۲۔ وھب اللہ شہید رحمہ اللہ ۳۔ امداد اللہ ۴۔ احسان اللہ ۵۔ ارشاد اللہ ۶۔ اسامہ ہیں۔ اور بیٹیوں کے نام ۱۔ عطیہ زوجہ مولوی امجد سعید ۲۔ سمیہ زوجہ مفتی احمد بن بختیار علی۔ ثالثہ زوجہ مولوی احمد بن عبد الرحمٰن ہیں۔ الحمد للہ تمام اولاد علماء وعالمات ہیں اور سوائے دو بیٹیوں کے باقی سب کے سب حفاظ ہیں اور بیٹیوں میں سے بھی سمیہ حافظہ ہے۔

اللہ پاک کا فضل ہے کہ اس نے پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کو بھی حفظِ قرآن اور حصولِ علم دین سے کے شوق سے خوب خوب نوازنا شرع کر دیا ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ حضورِ پاک ﷺ کے صدقے ان کی آل اولاد کو بھی تا قیامت اہلِ علم و عمل میں سے بنائے اور عافیت کے ساتھ دین کی خدمت کے لیے قبول فرمائے۔ آمین

اور جامعہ اشرفیہ لاہور میں افتاء کے ساتھ ساتھ میری امامت و خطابت عرصہ ء دراز سے جامع مسجد سلمان پارک سنگھ پورہ لاہور میں ہے۔ سن ۱۹۸۳ء یا ۱۹۸۴ء میں کسی خاتون نے سلمان پارک مسجد کی موجودہ جگہ وقف کی تھی۔

بیگم پورہ کے قریشی خاندان نے اس مسجد کی باقاعدہ تعمیر کا بندوبست کیا۔ قریشی خاندان کے غلام محمد مرحوم کے ساتھ تعلق کی بناء پر میرا یہاں بطور امام وخطیب تقرر ہوا تھا۔

مسجد کی ابھی بنیادیں ہی تعمیر ہوئی تھیں تو نمازوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ مسجد کے سب سے پہلے باقاعدہ امام و خطیب کا شرف اللہ پاک نے مجھے عطاء فرمایا ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ پاک ذات ہمیں آزمائشوں اور تکالیف سے بچاتے ہوئے مساجد و مدارس کے ساتھ منسلک رہنے اور ایمان و عافیت کے ساتھ سرخرو ہو کر اپنے حضور پیش ہونے کی سعادت نصیب فرمائے، اور علمِ نافع کے ساتھ ساتھ طیب، واسع اور آسان رزقِ حلال نصیب فرمائے۔ آمین

تَقدِیم

میں نے اپنے شفیق استاذ، بحر العلوم، استاذ الکلّ فی الکلّ حضرت مولانا محمّد رسول خان ہزاروی رحمہ اللہ کے "سنن الترمذی" سے متعلق دروسِ حدیث کے اس مجموعے کا نام "جوامع الکلم" کی نسبت سے "جوامع الرّسول" رکھا ہے۔

یہ میرے سن ۱۹۶٦ء میں جامعہ اشرفیہ لاہور میں دوران تعلیم ضبطِ تحریر میں لائے کیے گئے اسباق ہیں۔ البتہ اطمینانِ قلب کے لیے چند دیگر احباب (خصوصاً حضرت مولانا علی اصغر عباسی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا محمد امتیاز صاحب التوطن گڑھی افغاناں مضافات راولپنڈی وغیرہ) کی کاپیوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، تاکہ حتی الامکان غلطیوں سے بچتے ہوئے استاذ صاحب رحمہ اللہ کی بات کو نقل کیا جاسکے۔ مگر ایک درسی تقریر ہونے کے ناطے اسباق کے سننے / سمجھنے / نقل کرنے میں کمی بیشی بہر حال متوقع رہتی ہے، اس لیے کسی بھی قسم کی خامی یا کوتاہی کی نشاندہی فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

کتاب کی طرف منسوب تمام بھلائیاں اللہ پاک ہی کے فضل، نبی کریم ﷺ کے فیضانِ محبت اور اساتذہء کرام کے فیوض وبرکات کا مظہر ہیں اور بھول چوک کی نسبت میری طرف ہے۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان

اور اس بات کا تذکرہ اور شکریہ بھی اداء کرنا ضروری ہے کہ "جوامع الرّسول" کی کمپوزنگ، تخریجات وغیرہ کے حوالے سے مولانا مفتی ضیاء الدین سلمہ اللہ نے انتہائی عرق ریزی اور محبت سے کام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطاء فرمائے اور ان کی محنتِ شاقہ کو قبولیت سے نوازے۔ اور اس کتاب میں ان کی طرف سے جو کچھ تشریحات اور اضافے عبارات کی بہتر توضیح کے لیے کیے گئے ہیں، وہ تمام علیحدہ سے "م-ض" کے نام سے کتاب میں مذکور ہیں۔

اب یہاں سے ہم "جَوَامِعُ الرّسول شرح الجَامِعُ الْمُخْتَصَرُ مِنَ السُّنَنِ عَن رسولِ الله ﷺ ومَعْرِفَةُ الصَحِيْحِ وَالْمَعْلُوْلِ وَمَا عَلَيْهِ العَمَلُ" کا باقاعدہ آغاز کریں گے۔ اس کا متن بعینہ حضرت رحمہ اللہ کی وہی تقریر ہے جو میں نے لکھی ہے، اضافی عبارت بین القوسین یا حاشیہ میں ہے۔

اللهم وفقني وسدد خطاي ويسر لي أمري ووفقني يارب لما تحب وترضى وصلّ وسلم على حبيبه خير الخلق كلّهم

حدیث کے مباحث

علماء نے کتب حدیث کی صحت وعدم صحت کے اعتبار سے تقسیم کی ہے۔ موطأ، بخاری اور مسلم تینوں صحیح ہیں اور ان کی ترجیح میں اختلاف ہے، باقی چاروں کتابوں کو صحاح ستہ میں یہ درجہ حاصل نہیں ہے۔ اکثر محدثین ان چاروں کتابوں کو صحیح کہتے ہیں مگر ان میں ضعیف روایات بھی بہت ہیں۔

حدیث رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں فی حدّذاته قرآن کے حکم میں تھی، کیونکہ رسول پاک ﷺ کذب سے معصوم تھے اور آپ طبعاً صادق تھے، کذب کا احتمال کٹ گیا تھا، ان کے زمانے میں حدیث ناسخ قرآن ہو سکتی تھی اس کے بعد صحابہ کے علاوہ اور لوگ واسطے بنے یہاں تک کہ ہم بھی بن گئے، کبرنی موت الکبراء!

رسول پاک ﷺ کے زمانے میں صرف ونحو کی ضرورت نہ تھی اور اسی طرح بخاریؒ کے زمانے میں بخاریؒ کی ضرورت نہ تھی لیکن اب ضرورت پڑی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رؤیت رسول ﷺ حاصل ہے تو تمام عالم سے افضل ہوئے، ممکن ہے کہ تابعین اور تبع تابعین عمل میں بڑھ جائیں مگر ان کو یہ فضیلت نہیں ملے گی، صحابہ کرامؓ کو معمولی سمجھنا بڑی محرومی ہے، ہو سکتا ہے کہ ایسے لوگوں کا خاتمہ ایمان پر نہ ہو سکے۔

ایک زمانہ ایسے گزرا ہے کہ قرآن حدیث سامنے آتا تو چوں چرا نہیں تھا، یہ زمانہ بڑی برکت کا تھا اس کے بعد تیسری صدی میں بعض مبتدعین نے یہ سمجھا کہ بات کسی کی قبول نہیں بغیر قرآن وحدیث کے، صحابہؓ کے زمانے میں منافقین تھے، کفار تھے ان کی وجہ سے صحابہ کرام کا درجہ بڑھ گیا، صحابہؓ نے غربت کے وقت اسلام کا ساتھ دیا، ایک صحابیؓ بیس کفار پر بھاری تھا، جہاد میں بھاگنا ان کے لئے جائز نہیں تھا، ان کا ایمان پکا تھا سخت امتحانات برداشت کر گئے ہیں۔

صحابہ کرامؓ کو صرف ونحو کی ضرورت نہیں تھی، وہ رسول اللہ ﷺ کے کسی قول میں کلام نہیں فرماتے تھے۔ اب کوئی اپنے کو صرف ونحو سے مستغنی سمجھے تو دن کو رات پر قیاس کرنا ہے، ایسا آدمی احمق ہے، تم بھی صحابہ کرامؓ کی عزت کرو، رسول پاک ﷺ کی عزت کرو تب یہ علم آئے گا، ادب ایک شے ہے اس سے انسان انسان بنتا ہے، صرف ونحو میں علماءِ صرف ونحو کی عزت ہو، بے ادبی حرمان ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ورنہ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَاتَشْعُرُونَ اعمال برباد ہونگے۔

حدیث پیغمبر ﷺ کے قائم مقام ہے گویا کہ آپ ﷺ ہم سے باتیں فرماتے ہیں، ان کی جتنی تعظیم کروگے اتنا نور اپنے اندر پاؤگے۔

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے زمانے (یہ حضرات تیسری صدی کے تھے) میں قرآن وحدیث کے بے ادب پیدا ہوئے۔ جیسے رسول پاک ﷺ کے زمانے میں منافقین موجود تھے، دین کی آڑ سے بد دینی پھیلاتے تھے، جھوٹی حدیثیں پیش کرتے تھے، اور لوگ دین دار تھے چوں وچرا نہیں کرتے تھے۔

(یہ بے ادب لوگ) منافقین کی طرح "انّک لرسول اللّٰہ" سے کام چلاتے تھے، تو محدثین کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے، انھوں نے جھوٹ سے سچ کو جدا کر دیا۔ سول اللہ ﷺ کی احادیث اور آپ ﷺ کی ذات کو تا قیامت زندہ رکھا، لہٰذا محدثین کا ادب ضروری ہے۔

امام بخاری صحیح حدیث کے لیے بڑی شرطیں لگاتے ہیں، دسویں اور گیارہویں پارے میں منافقین اور صوری دین داروں کی علامات بتاتے ہیں (کہ) ایسے لوگوں کا مقصد بد دینی پھیلانا ہے۔ دین کے لبادے میں آکر یہ کام کرتے ہیں تاکہ اپنے مشن میں کامیاب ہو جائیں۔ امام مسلم نے خطبے میں ایسے لوگوں کے نام لے لے کر بتایا۔ کانے کو کانا کہنا، بد دین کو بد دین کہنا غیبت بھی نہیں۔

اُس زمانے میں حدیث مقبول تھی تو گمراہ لوگ وضع حدیث سے فائدہ اُٹھانے لگے، تعظیم کے ساتھ دین ختم کرنا چاہتے تھے۔ اب زمانہ ایسا آیا ہے کہ کہنے والے کہتے ہیں کہ حدیث کی ضرورت ہی نہیں کھلم کھلا حدیث کا انکار کرتے ہیں۔

کتب حدیث کی اقسام

کتب حدیث بعض مستخرجات ہیں، بعض مستدرکات، بعض معجمات ہیں، بعض مسندات (جیسے مسند ابی حنیفہ وغیرہ) ہیں اور بعض جوامع ہیں۔

مستدرکات؛ وہ کتابیں ہیں مثلا مستدرک مسلم وبخاری (مستدرک حاکم)، بخاری میں جو حدیث ہے وہ صحیح ہے، بخاری کی شرط کے مطابق ہیں، اس قسم کی بعض روایات بخاری میں موجود نہیں ہیں مستدرکات ان کو نکال لائے ہیں۔[1]

۱۔ یعنی کسی کتاب کی شرائط پر پوری اترنے والی وہ روایات جو اس کتاب میں ذکر نہیں کی گئیں، ان روایات کو جمع کرنے والی کتاب مستدرک کہلاتی ہے جیسے امام حاکم کی بخاری ومسلم پر لکھی ہوئی مستدرک؛ جس میں امام بخاری اور مسلم کی شرائط پر پوری اترنے والی ان روایات کو جمع کیا گیا ہے جو ان حضرات نے نقل نہیں کیں۔

معجمات؛ وہ حدیثیں ہیں کہ بخاری کی سند کو چھوڑ کر دوسری سند سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچا دی ہے، مثلاً ایک آدمی حدیث کو یحیی بن معین جو استاد بخاری ہے تک پہنچاتا ہے، اپنی سند سے نہ کہ بخاری کی سند سے اس میں امام بخاری کی تائید ہے، حدیث پکی ہو گئی۔

مسندات؛ مسندات میں صحابہ کرام کے رتبے کے مطابق حدیثیں جمع کر دیں، جیسے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیثیں ہیں، بعد میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی احادیث ہیں علیٰ ھذا الترتیب، اس کو مسانید صحابہ کہتے ہیں۔

جوامع؛ اور ایک تقسیم باعتبار علوم کے ہے بخاری و ترمذی کو جوامع کہتے ہیں، تصوف، تفسیر، فقہ، تاریخ، اعتقادیات، وغیرہ ہر قسم کی حدیثیں ہوں تو یہ جوامع کہلاتی ہیں۔ مسلم کو جوامع نہیں کہا جاتا، ترمذی کو لوگ جوامع کہتے ہیں مگر بخاری کی طرح نہیں، ترمذی کو سنن بھی کہتے ہیں۔ فقہاء کرام افعال ظاہرہ سے بحث کرتے ہیں، قرآن کریم جامع کتاب ہے، امام بخاری اور امام مسلم میں تھوڑا سا فرق ہے۔

ایک مسئلہ ہے رسالت ایمان کے لیے ضروری ہے یا کہ صرف عقل کافی ہے؟

معتزلہ صرف عقل پر اکتفاء کرتے ہیں کہتے ہیں کہ وحی کی ضرورت نہیں، حتیٰ نبعث رسولا سے عقل مراد لیتے ہیں، حسن، قبح عقل ہی معلوم کر سکتی ہے اور معتزلہ کے بہت اصول ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اللہ پر "اصلح للعباد" ضروری ہے، اشاعرہ اس کے قائل نہیں ہیں۔

حاکم، محکوم علیہ، محکوم فیہ۔[1]

---

[1]۔ حکم کے تین ارکان ہیں، حاکم، محکوم علیہ، محکوم فیہ۔ حاکم یعنی شارع۔ محکوم علیہ (مکلّف) سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے لیے احکام نازل کیے گئے ہیں۔ محکوم فیہ مکلف کا وہ فعل کہلاتا ہے جس کے متعلق شارع کا حکم یا خطاب ہو، جیسے "ولا تقربوا الزنا" میں اللہ کی ذات شارع یعنی حاکم ہے، زنا محکوم فیہ یعنی وہ فعل ہے جس کی بابت منع کیا گیا ہے، انسان محکوم علیہ یعنی جس پر حکم نازل ہوا ہے۔

كتابُ الطّهَارَةِ

کتاب الطّہارۃ

امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب "کتاب الطہارۃ" سے شروع کی، اس کی کیا وجہ ہے؟ وجہ یہ ہے کہ ابتداءً احکام شرعیہ دو تھے؛ ا۔ توحید وصفات، ۲۔ احکام شرعیہ عملیہ، دوسرے الفاظ میں علوم اعتقادی اور علوم عملیہ، اس میں رخنہ ڈالنے والے کم تھے۔

ہر شے کے وجود کے لیے دو علتیں داخل ذات ہیں اور دو خارجِ ذات ہیں۔ مادہ اور صورت داخل شے ہیں، اور خارج شے یہ ہے کہ علت فاعلی اور علت غائی اور رفع مانع بھی ہو جائے (یعنی ان چار علتوں کے لیے کوئی چیز مانع نہ ہو)۔ اور رفع مانع کا بھی وجود میں دخل ہے۔ اور احکام کی چھ قسمیں ہیں، فرض، واجب، مندوب، مباح، مکروہ، حرام[1]

امام بخاریؒ نے بدء الوحی کو مقدم کرنا اپنے زمانے میں مناسب سمجھا، اور امام ترمذی نے کتاب الطہارۃ کو مقدم کرنا مناسب سمجھا۔ شریعت میں دو چیزیں ہیں، عبادات اور معاملات، ہر ایک مصنف نے عبادات کو اپنی کتاب میں مقدم کیا۔ فقہاء اور محدثین نے کہا کہ عوام نظریات جلدی نہیں سمجھ سکتے لہٰذا بدیہیات پہلے ذکر کریں، نماز پڑھنا، حج کرنا وغیرہ بدیہیات ہیں۔ اور امام بخاری اور مسلم نے نظریات مقدم کیے۔[2]

امام بخاری کے زمانے میں اعتقادات میں رخنے ڈالنے والے بہت ہو گئے تھے، اس لیے انہوں نے نظریات کو مقدم کیا، اور عملیات میں سب سے زیادہ اہم نماز تھی تو امام ترمذی نے نماز کو مقدم کیا، شرعاً نماز کی تاکید ہے۔

"أقيموا الصلوة" کھڑے ہو کر پڑھنے کو کہاہے، اور احکام کے بارے میں یہ نہیں فرمایا؛ أقيموا الحج وغیرہ

نماز میں بداہت بھی ہے اور عام بھی ہے۔ دیگر احکام کی نسبت سے، قلب کی اصلاح تصوف سے ہوتی ہے اور اعمال کی اصلاح فقہ سے ہوتی ہے۔ اور بخاری کے زمانے میں ایک فرقہ پیدا ہوا وہ اپنے آپ کو اھل العدل والتوحید کہتا تھا۔

(معتزلہ جو یہ کہتے تھے) امر و نہی شریعت کے ساتھ مختص نہیں ہے (معتزلہ کا یہ موقف درست نہیں ہے، کیونکہ شریعت کا خلاصہ ہی امر و نہی ہے) بلکہ معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ عقل خود بھی یہ کام کرتی ہے لہٰذا شریعت کہے یا نہ کہے نماز پڑھو، زکوۃ دو!۔ معتزلہ کے ہاں عقل محرم بھی ہے اور محلل بھی ہے اور موجب بھی ہے، امام بخاریؒ نے ان پر ردّ کیا ہے۔

---

[1] ۔ مفتی جمیل احمد تھانوی صاحب رحمہ اللہ نے دو رسالے لکھے ہیں۔ ایک ڈاڑھی کے متعلق ہے اور ایک آدمی نے اعتراض کیا ہے کہ مدرسے میں آٹھ دس سال کیوں رکھے گئے ہیں، اس کا جواب دیا گیا ہے۔ (یہ بھی حضرت کی تقریر کا حصہ ہے جو ضمناً بیان کیا ہے اس لیے اس کو ہم نے حاشیہ میں ذکر کر دیا۔)

[2] ۔ کتب بخاری و مسلم کی ترتیب بیان ہو رہی ہے۔

زمانہ فترۃ کے لوگوں کے بارے میں معتزلہ اور اہل سنت کے درمیان اختلاف ہے، معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہے نیک کام کرنے پر جنتی بھی ہے اور بد کام کرنے پر ناری بھی ہے۔

امام شافعیؒ عقل کو بالکل بے کار مانتے ہیں شریعت نہ ہو تو عقل کے احکام کا بالکل اعتبار نہیں کرتے، انھوں نے شریعت پر مدار رکھا اور اس کی ضرورت بھی تھی کہ عقل بے کار کر دی جائے تا کہ ان لوگوں کا رڈ ہو۔

اور ایک مذہب امام صاحب کا ہے یہ بین بین ہے کہ شریعت کو بے کار کر دینا یہ بھی ٹھیک نہیں اور عقل کو چھوڑ دینا یہ بھی ٹھیک نہیں، عقل سے خدا کا وجود ثابت ہوتا ہے لہٰذا وجود باری پہلے ہونا چاہیے، بدء الوحی کا درجہ بعد کا ہے۔

لہٰذا امام صاحب کا درجہ امام بخاری سے بھی اونچا ہو گیا، آپ نے امام بخاری سے زیادہ سمجھا، شوافع کی طرح عقل کو بالکل نہیں چھوڑا اور معتزلہ کی طرح عقل کو بالکل معیار بھی نہیں ٹھہرایا، موسیٰ علیہ السلام نے تورات اور انجیل سے خدا ثابت نہیں کیا، بلکہ اور شے سے ثابت کیا، وہ معجزہ تھا۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ ایمان مقدم ہے (کیونکہ) نماز کا مدار ایمان پر ہے لہٰذا ایمان بھی وحی کے مطابق ہونا چاہیے تو باب الوحی مقدم کر دیا، تا کہ معتزلہ پر رد ہو، سر سید بھی معتزلی تھا۔

امام مسلم کا مسلک بہتر معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی موافقت کی، ایمان کا ذکر کر دیا اور بعد میں بدء الوحی کو رکھا۔

امام صاحب رحمہ اللہ فترۃ کے زمانے والوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا عقل پر موقوف ہے اور دیگر چیزوں میں شریعت کی ضرورت ہے۔یعنی اصول میں عقل کام دے گی اور فروع میں شریعت کام دے گی اور معتزلہ دونوں میں عقل حاکم مانتے ہیں کیونکہ یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ عقل ادلّہ میں کیا وقعت رکھتی ہے۔

نتیجہ مذکورہ تحقیق پر یہ پڑے گا کہ مراھقہ لڑکی کو اللہ اور رسول کا علم نہ ہو تو نکاح ختم ہو گا عند المعتزلہ، اور شوافع شرع پر موقوف کرتے ہیں، ان کے نزدیک طلاق نہیں پڑے گی۔

بحث طہارت

طہارت (پاکی) ظرف، فضل ماء وغیرہ کو کہتے ہیں۔

طہارت اولاً شرک سے ضروری ہے، شرک و کفر روحانی نجاست ہے۔ایمان اور کفر کا تعلق روح سے ہے، یہ روحانی صفات ہیں۔"وبضدھا تتبین الاشیاء" امتیاز اشیاء از ضد یک دیگر ھا، لہٰذا ایمان کے باب میں کفر کا ذکر آتا ہے۔

اس کے بعد حدث ہے، حدث سے تمام جسم ناپاک ہوتا ہے، مگر اعضاء اربعہ دھونے سے پاکی حاصل ہو گی یہ غیر معقول ہے یہ نجاست حکمیہ شرعیہ ہے۔مابہ الطھارۃ دوچیزیں ہیں، پانی اور تیمم!

طہارت کی قسمیں: طہارتِ ثوب، مکان، جسم…

سند حدیث کی طرف اشارہ:

میرے استاذ حضرت مولانا شیخ الہند ہیں رحمہ اللہ ہیں اور ان کے استاد مولانا قاسم نانوتوی صاحب رحمہ اللہ ہیں۔ متکلم، صوفی ہر کمال آپ میں موجود ہے، تصنیفات آپ کی اردو میں ہیں مگر سمجھتا (ہر) کوئی بھی نہیں!

آپ کے استاذ شیخ کامل شاہ عبد الغنی رحمہ اللہ؛ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی اولاد میں سے ہیں، بہت بڑے محدث گزرے ہیں اور ان کے استاذ شاہ محمد اسحاق رحمہ اللہ ہیں اور یہ نواسے ہیں شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ کے۔ حضرت شاہ محمد اسحاق رحمہ اللہ بہت بڑے محدث ہیں، محمد نذیرؒ ایک عالم ہیں اہل حدیث کے انھوں نے بھی ان سے حدیث پڑھی ہے۔[1]

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے خاندان کے ذریعے سے حدیث ہندوستان میں پہنچی ہے۔ترمذی کی سند کئی طرح کی ہے، شاہ ولی اللہ صاحب سے عمر بن طبرزد بغدادی تک، عمر کا استاذ عبد الملک ہے، عبد الملک سے امام ترمذی تک، (سند حدیث کا) تیسرا اجزء رسول اللہ ﷺ تک اور ہر حدیث کی علیحدہ سند بیان فرمائی ہے۔

امام ترمذی کی ایک سند شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ تک اور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے عمر بن طبرزد بغدادی سے اور اس سے عبد الملک تک اور عبد الملک سے ترمذی تک اور امام ترمذی سے رسول اللہ ﷺ تک کل تقریباً بیس اکیس واسطے بنتے ہیں۔

محدثین کے درجات

حافظ، حاکم، حجت، شیخ، استاذ، طالب علم۔

حافظ: جس کو ایک لاکھ احادیث یاد ہوں۔ استاذ طالب علم، یہ عالم کا درجہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم؛ قال الشیخ المکرم المفخم المشتهر بین الآفاق المرحوم المغفور مولانا محمد اسحاق حصل لی الاجازة والقراءة والسماعة من الشیخ الأجل والحبر الأبجل الذی فاق بین الأقران بالتمییز أعنی الشیخ عبدالعزیز وحصل له الاجازة والقراءة والسماعة عن والده الشیخ ولی الله بن الشیخ عبدالرحیم الدهلوی، وقال الشیخ ولی الله، أخبرنا به الشیخ أبو الطاهر المدنی عن أبیه الشیخ ابراهیم الکردی عن الشیخ المزاحی عن الشهاب أحمد السبکی عن الشیخ النجم الغیطی عن الزین

---

[1] شاہ محمد اسحاق رحمہ اللہ نے شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ سے اور شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ نے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے پڑھا۔

زکریا عن العز عبدالرحیم عن الشیخ عمر المراغی عن الفخر بن البخاری عن عمر بن طبرزد البغدادی۔فاقربه الشیخ الثقة الأمین...

اقربه الشیخ... اس عبارت میں احتمالات ہیں، شیخ سے مراد کون ہے،أقرّ لانے والا کون ہے؟

ا۔الشیخ سے مراد ابو العباس ہے اور أقرّ لانے والا ان کا شاگرد ابو محمد ہے۔اہل حدیث کے ہاں ثقہ عاقل ضابط کو کہتے ہیں۔{فاسق کا قول اور کافر کا قول معتبر نہیں۔کافر کا قول بالکل معتبر نہیں ہے اور فاسق کی خبر کے ساتھ تحری لگ جائے تو خبر معتبر ہے، ٹیلیفون وغیرہ میں بھی یہ اشکالات پیش آتے ہیں۔}

۲۔أقرّ کا لانے والا عمر بن طبرزد ہیں اور ابو مالک فاعل ہے۔

اقرار صریحی اور اقرار کنائی: سکوت کی صورت میں اقرار کنائی ہے اور زبان سے اقرار کردے تو یہ صریحی ہے۔

۳۔عبد الملک کے تین استاذ ہیں۔الشیخ الثقة الامین مفہوم کلی ہے تو مراد شیخ سے ان کے تینوں اساتذہ ہوئے،اور أقرّ لانے والے عبد الملک ہیں یہ ان کی عبارت ہے۔

جاءنی الکل میں اختلاف ہے۔کل افرادی، کل مجموعی۔کل انسان شبع هٰذا الرغیف میں کل افرادی مراد ہے۔یہاں(أقرّبه الشیخ میں شیخ کی)توثیق فرداً ہے یا مجتمعاً ہے؟دونوں ہوسکتے ہیں اور علماء أخبرنی یعنی ابوالعباس والی توجیہ صحیح قرادیتے ہیں۔

ترمذی کا ضبط:[1]

ترمذی میں(تا پر)تینوں اعراب جائز ہیں۔امام ترمذی کی کنیت پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں عیسیٰ کا باپ نہیں تھا تو ابو عیسیٰ کیوں کہہ دیا گیا،شبہ پڑتا ہے شاید عیسیٰ کا باپ تھا۔علماء نے مختلف جواب دیے،اعلام میں مانع کا لحاظ نہیں ہے ایسے ہی ابو عیسیٰ کے معنی حقیقی مراد نہیں ہے۔

طہارت اور وقت کا نماز سے تعلق کیا ہے؟

طہارت کے بغیر،وضو کے بغیر اور وقت کے بغیر نماز نہیں ہوتی،اس کو اصول (علم اصول فقہ)بیان کرتے ہیں۔فرض،واجب وغیرہ ہر فعل کے دو طریقے ہیں،پڑھنا اور چھوڑنا،فعل صلوٰۃ اور ترک صلوٰۃ، فعل قطعی ثبوت ہے اور فرض ہے۔ترک صلوٰۃ حرام ہے،اور ایک "ما یلیق به الأحکام" ہے، نماز کا تعلق وضو سے بھی ہے،ہر شے کے وجود کے لیے،مادہ،فاعل،علت غائی اور علت صوری ضروری ہے۔

ا-اضافہ عنوان(م-ض)

مادہ سے شے بالقوۃ بن جاتی ہے، نماز کے لیے مادہ علت فاعلی ہے، علت غائی اور علت صوری کیا ہے؟ اور سبب اور شرط لوازمات وغیرہ کیا ہیں؟.... موقوف علیہ کا تعلق، طہارت استقبالِ قبلہ سبب ہے، رکوع سجود سے تعلق نماز کے ذاتیات کا ہے یہ مادہ صلوٰۃ ہے، شرط موقوف علیہ ہے وجود صلوٰۃ کے لیے، ایک حیثیت وجود صلوٰۃ کی ہے، اور ایک حیثیت وجوب صلوٰۃ کی ہے، وجوب صلوٰۃ کا تعلق وقت کے ساتھ ہے اس کے لیے وضو شرط نہیں اور طہارت وجوب کی شرط ہے۔

احکام فعلِ مکلف سے متعلق ہیں، نماز بھی فعل مکلف ہے، تو اجزاء صلوٰۃ بھی صلوٰۃ ہیں اور متعلقات صلوٰۃ بھی صلوٰۃ میں داخل ہیں، ذاتیات کا تعلق بالدخول اور علل وشرائط کا تعلق بالخروج ہوتا ہے، لہٰذا طہارت نماز سے خارج ہے مگر توقف ہے۔ نماز میں تین درجے ہیں: ۱۔ وجوبِ صلوٰۃ ۲۔ صحتِ صلوٰۃ ۳۔ قبولِ صلوٰۃ

لا تقبل صلوة بغير طهور...

طہور پر توقفِ صلوٰۃ کی قسم ہے، بات یہ ہے کہ وجوبِ صلوٰۃ کا تعلق امر اللہ سے ہے، مقبولیت صلوٰۃ طہور پر موقوف ہے، لا تقبل صلوة میں مطلق ذکر ہے اور صلوٰۃ کے تین درجے ہیں ان میں سے لا تقبل کا تعلق قبولیت صلوٰۃ سے ہے، اور ایک حیثیت سے وضو صلوٰۃ پر موقوف ہے اور ایک حیثیت سے صلوٰۃ وضو پر موقوف ہے دور نہیں ہے۔ وضوء بحیثیت موقوف علیہ ہے قبولیت صلوٰۃ کے لیے اور موقوف ہے وجوب صلوٰۃ کے لیے کیونکہ جب نماز واجب ہوگئی تو لوازمات بھی واجب ہوگئے۔ اذا وجب الشيئ وجب لوازمه۔ یعنی وضوء کا وجوب وجوبِ صلوٰۃ پر موقوف ہے، وضو میں بھی تین درجات ہیں، وجوب، صحت، قبولیت۔

شرط سبب اورعلت میں فرق

وجود شئے کا توقف شرط پر ہے، اور علت کا تعلق وجوب شئے سے ہے، مباشر فعل کو علت کہتے ہیں اور سبب اس فعل تک پہنچنے کے وسائل کو کہتے ہیں یعنی مفضى الى الشيئ۔ مثلاً سارق ہے، سارق کو راستہ بتا دینے والا سبب ہے اور فعل سارق علت ہے، اور اس سے پہلے شرط اور رفع موانع بھی ہوتے ہیں۔

اور{إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ}[1] میں وضو کا سبب قیام معلوم ہوتا ہے، حدث معلوم نہیں ہوتا اس لیے بعض نے وأنتم محدثون مقدر نکالا ہے تاکہ حدث کو سبب بنائیں اور بعض اس حدث کو شرط بتاتے ہیں وضو کے لیے، اور بعض نے حدث کو علت بنایا ہے وضو کے لیے، آیت تیمم سے استدلال کرکے{أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ}[2]

۱- [المائدة: 6]

۲- [المائدة: 6]

وأنتم محدثون وضو والی آیت میں مقدر ماننے سے تطبیق ہو جائے گی۔

لا تقبل صلوة بغير طهور؛ دعویٰ ہے تو ترمذی نے جواب دیا، اسناد کو رسول اللہ ﷺ تک لے گئے۔

جب "ح" حدیث میں آئے تو صحیح پڑھو، یا حائل پڑھو، یا تحویل پڑھو، یا الحدیث پڑھو چاروں پڑھ سکتے ہو۔ انتہاء میں سند ایک ہو اور ابتداء میں دو ہوں تو "ح" لکھ دیتے ہیں۔

اعتراض تھا کہ أقم الصلوة سے تکرار صلوٰۃ معلوم نہیں ہوتی تو جواب دیا گیا کہ وقت سے تکرار آیا ہے جو کہ سبب تکرار صلوٰۃ ہے۔

اعتراض: وقت سے وجوب آیا ہے تو وقت غیر اللہ ہے اور غیر اللہ سے وجوب آیا ہے۔

جواب: ہر وقت کے ساتھ أقم الصلوٰۃ کا خطاب باری تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے، ہمیں اس أقم الصلوة کا علم نہیں، حتی کہ فرشتوں کو بھی علم نہیں لہٰذا وقت؛ امارت اور علامت کے درجے میں ہے جیسے کہ ایمان مخفی ہے۔

اور لا اله الا الله کوئی زبان پہ لایا تو ایماندار بن گیا، تو گویا جب وقت آیا تو وہ أقم الصلوة پر دال ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علم دو چیزوں سے آتا ہے اور ان دونوں کو اور کسی فن میں بیان نہیں کیا گیا، صرف منطق میں بیان ہے۔ مفردات سے مفردات کا علم آتا ہے جو کہ منطق میں بیان ہوتا ہے، اور اسی طرح أقم الصلوٰۃ پر دلیل دینی چاہیے کیونکہ یہ دعویٰ ہے اور دلائل کی بحث بھی منطق میں ہوتی ہے، جیسے دوسرے علوم کی ضرورت ہے اسی طرح علم منطق کی بھی ضروت ہے۔

لا تقبل صلوة ... مقبولیت صلوٰۃ اور ہے، صحت صلوٰۃ اور ہے، بسا اوقات صحت صلوٰۃ ہوتی ہے اور مقبولیت وہاں پر نہیں ہوتی جیسے زوجہء نافرمان؛ زوجہ شوہر کی نافرمان ہو تو نماز اس کی صحیح ہے لیکن قبول نہ ہو گی۔

صحت؛ ہدیہ بسیطہ ہے، اور قبولیت؛ ہدیہ مرکبہ کا درجہ ہے۔ امام ترمذی عدم صحت صلوٰۃ بیان کرنا چاہتا ہے اور یہاں لاتقبل لایا جو کہ اس دعویٰ کو ثابت نہیں کر سکتا۔

محدثین کے باب آسان ہوتے ہیں اور فقہاء کے باب مشکل ہیں جیسے لايقضى القاضى وهو غضبان اس لیے کہ مدعی اور مدعی علیہ کے بیانات کو صحیح طور پر نہیں سنے گا۔

فقیہ کہے گا کہ لا يقضى القاضى وهو محبوس بالبول، اس قسم کے ابواب باندھتے ہیں، فقیہ نے ممانعت کی علت سمجھی اور دوسری چیزوں پر بھی حکم لگا دیے، محدثین فقہاء کو اہل الرائے کہتے ہیں مدح پر کہتے ہیں تو ٹھیک ہے اور مذمت پر کہتے ہیں تو یہ ٹھیک نہیں، محدثین لکیر کے فقیر ہیں۔

فقہاء دلالت تضمنی، التزامی، مطابقی تمام حکموں کو سمجھتے ہیں پھر حکم لگاتے ہیں، اب صحت اور قبول میں عموم خصوص مطلق کا فرق ہے جیسے کہ انسان اور حیوان [1]۔

ہر نماز مقبول صحیح ضرور ہو گی اور یہ ضروری نہیں کہ ہر نماز صحیح مقبول بھی ہو جیسے کہ عبد آبق کی نماز صحیح ہے مقبول نہیں، عاق بیٹے کی نماز مقبول نہیں صحیح ہے۔

یہاں لا تقبل الصلوۃ سے مدعیٰ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ عدم صحت بیان کرنی ہے!

ایک بڑے محشی نے جواب دیا ہے کہ لا تقبل خاص ہے خاص کی نفی سے عام کی نفی ہوئی۔ یہ غلط ہے کیونکہ عموم خصوص مطلق کے نقیضین میں نسبت الٹ ہو جاتی ہے خاص عام ہوتا ہے اور عام خاص ہوتا ہے جیسے انسان اور حیوان میں عموم خصوص مطلق ہے حیوان عام ہے اور انسان خاص ہے ان کے نقیضین میں لا انسان عام ہے اور لا حیوان خاص ہے، مثلاً حجر میں دونوں پائے جاتے ہیں اور فرس میں لا انسان ہے اور لا حیوان نہیں ہے تو نقیضین میں انسان کے دو فرد بنے اور حیوان کا نقیض ایک فرد ہوا تو لا تقبل عام ہے لا تصح سے کیونکہ لا تقبل کے دو فرد ہیں اور لا تصح کا ایک فرد ہے۔

قبول کے دو معنیٰ آتے ہیں۔

اشکال: سلب قبولیت سے سلب صحت لازم نہیں آتی!

جواب: لا تقبل کا استعمال کبھی لا تصح میں بھی ہوتا ہے جیسے کہ لَا يَقْبَلُ اللَّهُ صَلاةَ حَائِضٍ بِغَيْرِ خمار [2]

اب یہاں لا تصح کے معنیٰ بھی ہے اور لا تقبل کا معنیٰ بھی ہے، اس حدیث میں لا تصح اور لا تقبل دونوں ہیں اور عبد آبق میں لا تقبل ہے لیکن لا تصح نہیں ہے بلکہ تصح ہے۔

۱- عموم خصوص مطلق قبول اور صحیح میں اس طرح ہے کہ ہر قبول صحیح ہے لیکن ہر صحیح قبول نہیں جیسے انسان وحیوان میں نسبت ہے کہ ہر انسان حیوان ہے لیکن ہر حیوان انسان نہیں۔(م-ض)

٢ - نَا مُحَمَّدُ بْنُ أَسْلَمَ فِيمَا ثَبَّتَنِي عَنْهُ الثِّقَةُ قَالَ وَنا الْحَجَّاجُ قَالَ نَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ الْحَارِثِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْبَلُ اللَّهُ صَلاةَ حَائِضٍ بِغَيْر خمار۔[مختصر الأحكام = مستخرج الطوسي على جامع الترمذي، بَابُ مَا جَاءَ لَا يَقْبَلُ اللَّهُ صَلاةَ الْمَرْأَةِ إِلا بِخِمَارٍ،باب منه (٢/ ٢٩٧) الناشر: مكتبة الغرباء الأثرية - المدينة المنورة - السعودية ، ١٤١٥هـ]

لا يَقبَلُ اللهُ صلاةَ حائضٍ إلا بخِمارٍ"[سنن أبي داود، باب المرأة تصلي بغير خِمار (١/ ٤٧٨) الناشر: دار الرسالة العالمية، ١٤٣٠ هـ - ٢٠٠٩ م]

عَنِ الثَّوْرِيِّ، عَنْ خُصَيْفٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ: «إِذَا صَلَّتِ الْحُرَّةُ الَّتِي قَدْ حَاضَتْ بِغَيْرِ خِمَارٍ لَمْ يَقْبَلِ اللَّهُ لَهَا صَلَاةً» مصنف عبد الرزاق،بَابٌ فِي كَمْ تُصَلِّي الْمَرْأَةُ مِنَ الثِّيَابِ(٣/ ١٣١)، المكتب الإسلامي - بيروت،١٤٠٣هـ]

تو لاتقبل عام ہو گیا،زید عدل میں تاویل ہے صفات زید عدل ہے ،حمل بالمواطاۃ ہوا،دوسرا یہ ہے کہ محمول میں تاویل کرو پہلے موضوع میں تاویل ہوئی تھی، بمعنٰی عادل جیسے کہ منصور نے بھی انا الحق کہا تھا فرعون نے بھی کہا تھا۔ منصور نے موضوع کو محمول میں حذف کر دیا کہ میں کچھ نہیں ہوں حق ہی حق ہے، اور فرعون نے محمول کو موضوع میں حذف کر دیا کہ حق نہیں ہے صرف میں ہی میں ہوں۔

اصلی جواب اب دیتا ہوں کہ لا تصح میں تاویل کرو یالاتقبل میں، صحت سے مراد یہ لیا جائے کہ ترتب غرض من الشیئ علی الشیئ ہے یہ معنٰی صحت اور قبولیت دونوں میں پائے جاتے ہیں ایک کے سلب سے دوسرے کا سلب بھی لازم آتا ہے۔[1]

دوسری صورت یہ ہے کہ قبول میں تاویل کرو۔ جیسے کہ بیع فاسد میں صحت ہے ثواب نہیں، قبولیت نہیں پائی جاتی اس لیے فسخ کا حکم ہے، معاملات میں یہ بات ہے کہ صحت اور قبول میں ایک ہو تو کام بن جائے گا لیکن عبادات کی غرض ثواب ہے تو عبادات میں صحت مستلزم قبولیت وثواب ہے، لہٰذا عبادات مستلزم ثواب ہے تو عموم وخصوص نہیں رہا بلکہ تلازم ہے، دونوں میں عبادات میں سلب قبولیت سلب صحت کو مستلزم ہے۔[2]

جواب نمبر ۳: جب حدیث سے قبولیت کے دو معنٰی نکلتے ہیں۔ اگر یہ دونوں یعنی صحت وقبول مشترک لفظی ہیں یا حقیقت ومجاز کا فرق ہے، مشترک لفظی میں صرف الفاظ کا اشتراک ہوتا ہے الفاظ کے مدلول کا اشتراک نہیں ہے۔ مدلول میں اشتراک اشتراک معنوی میں ہوتا ہے، اشتراک لفظی کی مثال عین ہے اور مدلول عین جدا ہے، شمس اور ہے، ذھب اور ہے، لفظ عین شمس ذھب دونوں پر مشتمل ہے۔

مشترک معنوی ہے تو جواب گزر گیا، اگر مشترک لفظی ہے تو صحت وقبول میں تلازم نہیں آتا، ہر ایک کا احتمال ہے، لاتصح بھی ہو سکتا ہے اور لا تقبل بھی ہو سکتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ قرآن کی آیت ہے{إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ}[3]، عدم وضو کی صورت میں نماز نہ ہوگی لاتصح کے معنٰی میں ہے۔ اوراسی طرح مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ[4] سے معلوم ہوتا ہے کہ لا تصح کے معنٰی میں ہے۔

اور اگر حقیقت ومجاز ہے کہ قبول کے حقیقی معنٰی ثواب ہے اور مجازی معنٰی لا تصح کے ہے تو تعیین کے لیے قرینہ ہونا چاہیے اور قرینہ مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ ہے لہٰذا مجازی معنٰی مراد ہے یعنی لا تصح مراد ہے۔

۱- یہ پہلا جواب ہوا۔(م-ض)

۲- یہ دوسرا جواب ہوا۔(م-ض)

۳- [المائدة: ٦]

۴- سنن الترمذي ، بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ مِفْتَاحَ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ، عن على (١/ ٥۴)

عموم وخصوص من وجہ کی صورت یہ ہے کہ نماز کے آخر میں اگر شریک ہوا تو ثواب ہے صحت نہیں ہے اور نماز کے اول سے ہوا تو ثواب بھی ہے اور صحت بھی ہے، ارض مغصوبہ میں صحت ہے ثواب نہیں، تین مادے پائے گئے، متباین ہونے کی صورت میں بھی قرینہ ہونے کی ضرورت ہے پس جواب یہ ہے کہ قرینہ سے سمجھیں گے، یہ مسئلہ ختم ہوا۔

فاقد الطہارتین کا اشکال ہے:

اشکال یہ ہے کہ ایک شخص ناپاک جگہ میں محبوس ہے کوئی چارہ کار نہیں تو اس پر نماز فرض ہے یا نہیں؟ جیسے کہ بلغار میں عشاء کا وقت نہیں ملتا تو بعض نے کہا کہ ان لوگوں پر چار نمازیں فرض ہیں اور بعض نے کہا کہ یہ حدیث کے خلاف کر رہا ہے چار نمازوں کا قائل ہے جس پر تکفیر کا مسئلہ جاری ہوا۔

فاقد الطہارتین میں بعض فرماتے ہیں کہ ان پر نماز واجب نہیں، اداءً وقضاءً ساقط ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ نماز ادا کرے پھر لوٹائے یعنی ادا بھی واجب ہے اور قضاء بھی۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ نہ پڑھے جب پانی مل جائے پھر پڑھے اور صاحبین فرماتے ہیں کہ پڑھے تشبیه بالمصلین کرے، جیسے کہ مسافر رمضان میں گھر آئے تو اس کے بعد نہ کھائے اسی طرح حائضہ عورت کو دن کے درمیان حیض ختم ہوا تو پھر نہ کھائے تاکہ تشبه بالصائمین بن جائے، پھر قضاء کرے۔ اور شوافع فرماتے ہیں کہ پڑھے اور قضاء بھی نہ کرے۔

امام ترمذیؒ کی عادت ہے کہ ایک حدیث کی سند ذکر کر کے اور بھی اسناد اس میں ہوں تو ان اسناد کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔ ایک متابعت تامہ ہے اور ایک متابعت ناقصہ، مثلاً بخاری کے استاد حمید کی روایت کا بیان بکر بھی کرتا ہے تو متابعت تام ہے اور اگر حمید کے بعد جا کر موافقت کرے تو متابعت ناقصہ ہے اور صحابی مختلف ہو جائے کہ ایک حدیث دو صحابیوں سے مل جائے تو وہ شواہد کہلاتے ہیں۔

ترمذی کے دو استاد ہیں، ایک نے بغیرطہور سے ذکر کیا ہے اور ایک نے الابطهور کا ذکر کیا ہے، بعض فاقد الطہورین میں قضاء واداء مانتے ہیں تو فرض کونسا ہے قضاء ہے یا اداء ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔

ولا صدقة من غلول:

دوسرا جملہ ولاصدقة من غلول ہے، غلول کا معنیٰ غنیمت میں چوری کرنا، (اگر کوئی) حرام چیز کا صدقہ کرنا ثواب سمجھے، دلیل ظنی سے حرام ہے تو متصدق (صدقہ کرنے والا) کافر نہیں اور اگر دلیل قطعی سے حرام ثابت ہے تو یہ حرام ہے اور اسی طرح تسمیہ کا مسئلہ ہے کہ حرام پر بسم اللہ ثواب سمجھ کر پڑھے تو ناجائز ہے حرام ہے۔

باب ما جاءفی فضل الطهور

عن أبي هريرةقال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ، أَوِ الْمُؤْمِنُ، فَغَسَلَ وَجْهَهُ خَرَجَتْ مِنْ وَجْهِهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ نَظَرَ إِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَاءِ - أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ، أَوْ نَحْوَ هَذَا - وَإِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَتْ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ - أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ - حَتَّى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِنَ الذُّنُوبِ»

ابو ہریرۃ: ابو ہریرۃ میں غیر منصرف کی کوئی علامت نہیں ۔گناہوں کے نام ہیں،اثم،سیئۃ،خطاء،ذنب وغیرہ۔ بعض فرماتے ہیں کہ صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ کبیرہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔

اعتراض کرتے ہیں کہ گناہ معنوی شے ہے وہ پانی سے کیسے زائل ہوتے ہیں؟

جواب ؛پانی میں تاویل کرو،یاذنب میں تاویل کروپانی سے مراد غیر مجسم چیز ہے اس سے گناہ زائل ہوتے ہیں،یا ذنب مجسم ہے اور پانی بھی مجسم ہے لہٰذا مزیل بنے گا۔ یہاں تشبیہ دی ہے گناہ کے معاف ہونے کو یعنی مغفرت سے گناہ کے معاف ہونے کو تشبیہ دی ہے پانی کے دھلنے کے ساتھ اس کو تشبیہ معقول بالمحسوس کہتے ہیں،یہ استعارہ تمثیلیہ ہے۔

مجاز اور کنایہ میں فرق ہے کنایہ میں لازم سے ملزوم کی طرف جاناہوتاہے اور مجاز میں ملزوم سے لازم کی طرف جانا پڑتاہے،دونوں میں الفاظ کالحاظ نہیں ہوتا،کنایہ کی مثال جاءنی طویل العصا یہاں عصاسے طویل العصامراد نہیں بلکہ طویل آدمی مراد ہے۔

کنایہ میں معنٰی حقیقی بھی مراد ہو سکتا ہے مثلاً ایک آدمی طویل بھی ہو اور عصا بھی اس کا لمبا ہو تو جاءنی طویل العصا میں دونوں مراد ہو سکتے ہیں،بعض نے کہا کہ یہ کنایہ ہے مقصود پاکی ہے یعنی پانی سے مراد مغفرت ہے۔

ایک مجاز عقلی ہے جسے کہ أنبت الربيع البقل نسبت فعل کی غیرماهوله کی طرف ہے،اور ان کی مناسب ہونی چاہیے ماهوله سے،اور ایک مجاز بالحذف ہے جیسے واسئل القرية الخ میں مضاف محذوف ہے۔اور بعض علماء دوسرا جواب دیتے ہیں،گناہ محسوس نہیں مگر اجسام میں اجسام لطیفہ ہیں جیسے ہوا،پانی وغیرہ،لہٰذا پانی سے گناہ صاف ہونگے اور اسی طرح فرماتے ہیں کہ حجر اسود جس وقت جنت سے آیا تھاتواس وقت سفید تھا،گناہگاروں کے ہاتھ چھونے سے کالاہو گیا[1]

اللہ تعالیٰ سارے اعمال کو آخرت میں مجسم فرمادیں گے۔

---

١ – حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَزَلَ الحَجَرُ الأَسْوَدُ مِنَ الجَنَّةِ، وَهُوَ أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ فَسَوَّدَتْهُ خَطَايَا بَنِي آدَمَ.-[سنن الترمذي، بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الحَجَرِ الأَسْوَدِ، وَالرُّكْنِ، وَالمَقَامِ (٢/ ٢١٨)]

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ وجہ کو دھونے سے پاک ہو گا اور گناہ آنکھوں سے ہوتا ہے وہ تو نہیں دھوئی جاتیں۔

جواب یہ ہے کہ وجہ کے دھونا گویا آنکھ کا دھونا ہے۔ حکماً واسطہ فی العروض ہے، ثبوت پھر بیان ہو گا۔

یا یہ جواب ہے کہ گناہ کے معاف ہونے سے مراد اسباب گناہ معاف ہوتے ہیں اور ثمرات گناہ معاف ہوتے ہیں اور اسباب و ثمرات گناہ اجسام ہیں ان کا دھلنا صحیح ہے اور یہ بھی اس حدیث سے اشارہ ہے کہ نماز سے گناہ معاف ہوتے ہیں،{إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ}[1]۔

مگر اسباب صلوٰۃ سے بھی گناہ معاف ہوتے ہیں، وضوء لازم صلوٰۃ ہے اس سے بھی گناہ معاف ہوتے ہیں۔

ادراک کے سارے اسباب سر میں موجود ہیں، جیسے کان، زبان اور ناک وغیرہ مگر رسول پاک ﷺ نے عین کے ساتھ تخصیص فرمائی ہے، عین کی تخصیص کیوں فرمائی ہے؟ وجہ یہ ہے کہ آنکھ سے دور کی چیزیں معلوم ہوتی ہیں، آنکھ میں تاثیر فی الغیر کا مادہ ہے جیسے نظر لگ گئی تو آدمی مر گیا، مگر زبان کے قریب چیز چکھوگے تو معلوم کریگی۔

قال أبو عيسى: حسن اور صحیح میں تضاد ہے پھر ایک حدیث میں دو حکم کیوں لگائے؟ حدیث کا صحیح ہونا سند پر موقوف ہے۔ جواب یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ایک کی تاویل کر دو، ایک اصل یہ ہے کہاحدھما کی تاویل کر دو، یادونوں کی تاویل کرو، حسن لذاتہ نہ مانو تو بھی جواب ہو گا یا صحیح لذاتہ نہ مانو تو بھی جواب ہو گا۔

ایک حدیث صحیح لذاتہ ہے اور حسن لغیرہ ہے تو جمع ہو سکتے ہیں یا حسن لذاتہ اور صحیح لغیرہ ہو تو بھی جمع ہوتے ہیں۔ ایک حسن اس کو کہتے ہیں کہ طبائع اس کی طرف مائل ہوں، اس میں خوبی زیادہ ہے دلچسپ ہے، بمعنیٰ ما يميل اليه الطبع، یادونوں میں تاویل کرو، مثال دیتے ہیں کہ ایک چیز میٹھی ہوتی ہے اور ایک چیز ترش ہے یہ جمع نہیں ہو سکتے مگر تلخی میں کمی ہو تو مٹھاس کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے، حسن سے حسن لذاتہ مراد نہیں اور صحیح سے صحیح لذاتہ مراد نہیں۔

اور بعض فرماتے ہیں کہ یہاں پر أو محذوف ہے اس کو مجاز بالحذف کہتے ہیں، اور بعض فرماتے ہیں کہ حسن اور صحیح لذاتہ ہی مراد ہیں کیونکہ ان کے روات بعض محدثین کے نزدیک اعلیٰ درجہ کے ہیں، انھوں نے صحیح لذاتہ کا حکم لگایا اور بعض دوسروں نے روات کو اعلیٰ نہ سمجھا تھا تو انھوں نے حسن لذاتہ کا حکم لگایا، بعض روات کو ترمذی اعلیٰ سمجھتا ہے اور امام بخاری ان کو اعلی نہیں سمجھتا جیسے کہ ایک آدمی عم بھی ہے، جد بھی اور اب بھی ہے، مگر حیثیات بدل گئیں، لولا الحيثيات لبطل الدنيا!

---

١ – [العنكبوت: ۴۵]

پہلے جوابات باعتبار قابل کے تھے اور اب آخری جواب باعتبار فاعل کے ہے، کہ فاعل کے اعتبار سے حکم مختلف لگایا گیا، اور بعض کہتے ہیں کہ سند کے اعتبار سے حکم لگایا گیا، ایک سند حسن ہے اور دوسری سند صحیح ہے۔

مسئلہء تقدیر

تقدیر کے مسئلہ میں جبریہ، قدریہ اور اہل سنت میں اختلاف ہے، جبریہ تقدیر ثابت کرتے ہیں قدریہ انکار کرتے ہیں اہل سنت اور جبریہ اس میں متفق ہیں کہ تقدیر بدلتی نہیں، لیکن اپنے آپ کو چونکہ تقدیر بدل نہیں سکتی مجبور محض کہتے ہیں اور بعض جنت اور جہنم کے منکر ہیں، کہتے ہیں مسلمان ایمان پر اور کافر کفر پر مجبور ہیں اور مجبوری سے کام کرنے سے قابل مدح کام نہیں بنتا۔ اور معتزلہ تقدیر کو نہیں مانتے، تقدیر کے منکر ہیں، انسان اپنے ارادے سے مسلمان بھی ہوتا ہے اور کافر بھی ہوتا ہے، معتزلہ کہتے ہیں کہ انسان خود اپنے ارادے سے افعال کرتا ہے اور قدریہ (قدریہ معتزلہ کو کہتے ہیں) کہتے ہیں کہ انسان کی ذات کا خالق تو اللہ ہے۔

جبریہ افعال کو تحت قدرت واحدہ مانتے ہیں اور وہ اللہ کی قدرت ہے اور معتزلہ تحت قدرت واحدہ مانتے ہیں مگر وہ قدرت انسانی قدرت ہے، اللہ کے ارادے کا کوئی دخل نہیں، معتزلہ نے جبریہ کو جواب دیا مگر تقدیر سے انکار کر دیا۔

اور اہل سنت کہتے ہیں افعالِ انسان تحت قدرتین ہیں اس پر معتزلہ اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ کے ارادہ کو دخل ہے تو انسان عاجز ہے اور اگر انسان کی قدرت کو دخل ہے تو اللہ تعالیٰ عاجز ہوگا، ایک شے کی دو علتیں ہوں تو باطل ہے۔

اہل سنت فرماتے ہیں کہ دونوں قدرتوں کا دخل ہے مگر دونوں کا تعلق جدا ہے، صلوٰۃ میں انسانی قدرت کا دخل کسب کے اعتبار سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا دخل خلق کے لحاظ سے ہے اب کسب و خلق کا فرق معلوم کرو۔

خلق کا اثر محل قدرت میں نہیں آتا، محل قدرت اللہ ہے، اللہ مصلی نہیں انسان مصلی ہے، کسب کا اثر محل پر ہوتا ہے جس قدرت اور ارادے کا اثر محل میں ہو تو وہ کسب ہے اور جس قدرت اور ارادے کا اثر محل میں نہ ہو تو وہ خلق ہے۔ کاسب مکسوب کے ساتھ موصوف ہوتا ہے اور خالق مخلوق کے ساتھ موصوف نہیں ہوتا، کاسب کے ساتھ بُعد موصوف ہوتا ہے اور خالق کے ساتھ بُعد موصوف نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ خلق کفر سے موصوف نہیں ہوتا ہے اس کفر کا کاسب یعنی کافر موصوف بالکفر ہے، خلق غیر محل میں اثر کرتی ہے اور کاسب محل میں اثر کرتا ہے، خدا محذورات سے موصوف نہیں اور انسان مکسوبات کے ساتھ موصوف ہوتا ہے، خدا خلقِ شر سے شریر بنے یا خلقِ حسن سے حسین بنے یا خلق قبح سے قبیح بنے یہ نہیں ہو سکتا، ہاں کاسب مکسوب کے ساتھ موصوف ہے لہٰذا مخلوقات خالق کے ساتھ قائم نہیں اور مکسوبات کاسب کے ساتھ قائم ہیں باعتبار محل کے شر

ہے، باعتبار فاعل کے شر نہیں۔ مثلا ایک آدمی برتن سے پیشاب دوسرے پر ڈال دے تو وہ دوسرا ناپاک ہو گا لیکن ڈالنے والا ناپاک نہ ہو گا، اور اسی طرح امکان کذب قبیح نہیں، کاذب ہونا قبیح ہے۔ اور آیت میں آتا ہے:

{وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ} [1]

معتزلہ کہتے ہیں کہ { فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ } [2]

معتزلہ دو اجل مانتے ہیں اور اہل سنت والجماعت کے نزدیک اجل ایک ہے، ایک اجل قتل ہے اور دوسری اجل موت ہے جو من جانب اللہ ہے۔

تو اسی طرح کہتے ہیں [3] کہ اجل ایک ہے تو قاتل پر قصاص کیوں جاری ہوتا ہے، جیسے موت سے مرے تو قصاص نہیں لہٰذا موت دو ہوں، اسی طرح ضرب سے الم پیدا ہوا تو معتزلہ کہتے ہیں کہ اس میں اللہ کا دخل نہیں یہ تو ابدی فعل ہے، ایک فعل سے دوسرا فعل ہوا (اور اہل سنت کہتے ہیں کہ الم اللہ کے خلق سے ہے) کہتے کہ اصل موت سے پہلے والی موت کا حدیث میں ممانعت ہے کیونکہ اصل موت سے مکاثرت میں کمی نہیں ہوتی بلکہ اسے پہلے ایک موت آتی ہے جس نے اصل موت تک جانے نہیں دیا، پہلے پہلے موت طاری کر دی یعنی یہ موت تو ابدی ہے اس لیے قصاص لازم ہے، اور اہل سنت قتل سے جو موت آتی ہے اس کو اصل موت مانتے ہیں اور معتزلہ کہتے ہیں کہ اصل موت ہوتی تو لا ترجعوا بعدي [4] نہ فرماتے۔

الله خالق كل شيئ کا معتزلہ جواب دیتے ہیں کہ اللہ بالعرض خالق ہے چونکہ انسان کو پیدا کیا ہے اس اعتبار سے یہ افعال انسان کے ہیں، جو مخلوق اللہ ہیں ان کے افعال بھی مخلوق اللہ ہونگے، کہتے ہیں کہ انسان کے دو فعل ہیں ایک کا خود انسان مباشر ہے اور ایک فعل خود بخود پیدا ہوتا ہے، دوسرے فعل میں انسان کے ارادے کو کوئی دخل نہیں، مثلاً ضرب سے

١-[التكوير: ٢٩]

٢-[النحل: ٦١]

٣-یعنی معتزلہ کہتے ہیں۔

٤ - عن جرير أن النبي صلى الله عليه وسلم قال له في حجة الوداع: «استنصت الناس» فقال: «لا ترجعوا بعدي كفارا، يضرب بعضكم رقاب بعض» [صحيح البخاري، باب الإنصات للعلماء (١/ ٣٥) الناشر: دار طوق النجاة ، ١٤٢٢هـ]

عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: «لا ترتدوا بعدي كفارا، يضرب بعضكم رقاب بعض»[صحيح البخاري،باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: «لا ترجعوا بعدي كفارا، يضرب بعضكم رقاب بعض»(٩/ ٥٠)]

الم پیدا ہوتا ہے یہ الم بھی ایک فعل ہے مگر بلا ارادہ انسان پیدا ہوتا ہے، ضرب انسانی ارادے سے ہے۔ دوسرے فعل کو تولید کہتے ہیں، حاصل یہ ہے کہ دونوں فعل کا انسان خالق ہے ایک کا کاسب ہے اور ایک تولیداً پیدا ہوتا ہے، بلاارادہ!

معتزلہ کہتے ہیں کہ دلیل اور نتیجہ دونوں کا خالق انسان ہے مگر نتیجے پر بندہ مجبور ہے نتیجہ خود بخود نکلتا ہے، اور فلاسفہ کہتے ہیں کہ دلیل اور نتیجہ دونوں کا خالق خدا ہے مگر بلا اختیار، کہتے ہیں کہ قدیم دو چیزیں ہیں، خدا اور مادہ (ھیولی)، ھیولی کی وجہ سے شکلیں بنتی ہیں، جیسے استعداد ہو ھیولی میں ایسے ہی صور پیدا ہونگے۔

خدا کی طرف سے شکلیں نہیں بنتیں، خدا سارے کو انسان بنانا چاہتا ہے مگر مجبور ہے ھیولے سے۔ ھیولے سے صورتیں خود بخود بنتی جاتی ہیں اور خدا مجبور ہے ان صورتوں کو دینے میں۔

اہل سنت کا جواب ہے کہ اجل ایک ہے ان کا قتل کرنا یہ کسب ہے، خلق نہیں ہے مگر نیت اور خیال یہ ہے کہ میں اس کو قتل کرتا ہوں دیت آنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ نیت بری تھی۔

ایک حدیث کا راوی ایک صحابی ہو اور اس کا راوی دوسرا صحابی بھی ہو تو یہ شواہد ہے، اور اگر امام بخاری کے استاد سے کوئی دوسرا (شاگرد) بھی نقل کرے تو یہ متابعت ہے، اور استاد کے استاد سے نقل کرے تو یہ متابعت ناقصہ ہے، اور ان شواہد اور توابع کے دیکھنے کو اعتبار کہتے ہیں۔

باب ما جاء أن مفتاح الصلاة الطهور

حدثنا قتيبة وهناد ومحمود بن غيلان قالوا حدثنا وكيع عن سـفيان ح وحدثنا محمد بن بشـار قال حدثنا عبد الرحمن بن مهدي قال حدثنا سـفيان عن عبد الله بن محمد بن عقيل عن محمد بن الحنفية عن علي عن النبي صـلى الله عليه وسـلم قال مفتاح الصـلاة الطهور وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم.

حدثنامحمدبن بشـار سے تحویل ہے کہ محمد بن بشار امام ترمذی کے استاد ہے تحویل کے لیے کبھی "ح" لکھ دیتے ہیں کبھی "و"۔

مناظرۃ حق طلبی کو کہتے ہیں اور حق طلبی نہ ہو تو مجادلہ، مکابرہ اور مشاجرہ ہے۔

یہ قاعدہ ہے کہ دلیل کے بطلان سے مدلول باطل نہیں ہوتا!

مفتاح الصلوۃ میں استعارہ ہے کہ نماز کو ایک مقفل مکان سے تشبیہ دی، مشبہ بہ ایک مکان اور نماز مشبہ ہے یہ استعارہ بالکنایہ ہے۔

جب تشبیہ دی جائے اور مشبہ ذکر ہو، مشبہ بہ کا ذکر نہ ہو تو استعارہ مکنیہ ہے اور اگر مشبہ بہ کا ذکر ہو تو استعارہ تصریحیہ ہے۔ باب تشبیہ مقدم ہے اس لیے تفتازانی نے مقدم کر دیا اس کے بعد استعارات جاری ہوتے ہیں۔

استعارہ مکنیہ کا قرینہ کیا ہے؟

انشبت المنية اظفارها، اظفار قرینہ ہے، تشبیہ معقول بالمحسوس ہے اور ملازمات کا ذکر ہو تو استعارہ تخیلیہ ہے اور اگر مناسبات میں مشبہ بہ ذکر ہو تو استعارہ ترشیحیہ ہے۔ اس حدیث میں استعارہ بالکنایہ ہے اور قرینہ مفتاح ہے، معقولات کو محسوسات سے سمجھایا تاکہ معقول جلد سمجھ میں آجائے!

{وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ} [1]۔

جبریہ کی دلیل ہے، معتزلہ اور اہل سنت جواب دیتے ہیں کہ کسب کی نفی اس آیت سے نہیں نکلتی مثلاً آنکھ کھولنے اور بند کرنے میں ہمیں اختیار ہے مگر آنکھ کی اصل صفت دیکھنے میں ہم مجبور ہیں۔

سفیان دو ہیں: ایک سفیان بن عیینہ اور ایک سفیان ثوری، قید نہ ہو تو شاگردوں سے امتیاز کیا جاتا ہے یہاں سفیان ثوری مراد ہیں، ثوری اس لیے کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مسجد میں بایاں پیر رکھا بجائے دائیں تو غائبانہ آواز آئی یا ثور!

تحريمها التكبير وتحليلها التسليم:

اہل ظواہر اور محدثین اللہ اکبر، تسلیم اور طہور تینوں کا حکم ایک مانتے ہیں، اکبر نہ کہے کوئی اور لفظ کہے تو وہ نماز میں داخل نہ ہو گا، دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ وضو اور طہارت فرض ہے۔[2]

امام صاحب فرماتے ہیں کہ الله اكبر فرض نہیں، اور اسماء الله بھی ہیں جن کے ذکر سے نماز ہو گی۔

وجہ اختلاف موقوف علیہ صرف طہور ہے، الله أكبر اور تسلیم ضروری نہیں، الله أجل بھی کہہ سکتے ہیں وغیرہ، لولاه لامتنع[3] کے درجہ میں نہیں ہے۔ فصح لدخول الفاء ہے جیسے کہ ایک "ج" لکھنا ہے اس کو جاپانی پنسل سے لکھ سکتے ہیں اور دوسرے قلم سے بھی لکھ سکتے ہیں۔

۱- [التكوير: ۲۹]

۲- یعنی اس حدیث میں تکبیر، تحلیل اور طہور تین امور کا حکم بیان ہوا ہے جن میں سے طہور باتفاق فرض صلوۃ ہے لہٰذا تکبیر اور تحلیل بھی فرض ہونگے۔ (م-ض)

۳- یعنی لولا التكبير لامتنع الصلوة کا مفہوم نہیں، یعنی ایسا نہیں کہ تکبیر اللہ اکبر کے الفاظ سے نہ کہے تو نماز ہی نہ ہو۔ (م-ض)

امام صاحب پر اعتراض کرتے ہیں کہ جملے تین ہیں، ایک لولاہ لامتنع مانتے ہیں اور باقی دو میں فصح لدخول الفاء ہے حالانکہ حدیث میں تفریق نہیں ہے، وجہ تفریق کیا ہے؟[1]

علتِ حکم کو اصول میں مناط کہتے ہیں۔ مناطِ علت کبھی نص میں موجود ہوتی ہے اور کبھی موجود نہیں ہوتی بلکہ مجتہد خود نکالتا ہے۔ علت کا ایک فہم ہے تنقیح مناط، تخریج مناط، تحقیق مناط!

تنقیح مناط کا معنیٰ ہے کہ علت کی خصوصیات کو اڑادو، کل رکھ دو مثلاً زید لکھتا ہے مگر اوصاف زید بہت ہیں بن خال، ابن عم، ان تمام اوصاف کو لکھنے میں دخل نہیں، ان کو چھوڑ دے صرف وہ صفات لے لو جن کو لکھنے میں دخل ہے اسی طرح اللہ اکبر کی خصوصیات کو دخل نہیں ہے بلکہ مقصد تعظیم ہے، اللہ اکبر علت مؤثرہ نہیں علت مؤثرہ وہ ہوتی ہے کہ اس نص کے علاوہ دوسری نص میں بھی ہو تو وہ علت مؤثرہ ہو اور اگر دوسری نص سے اس کے خلاف نکلے تو یہ علت مؤثرہ نہیں رہے گی۔

امام شافعیؒ اللہ اکبر کے خصوصیات کے دخل کے قائل ہیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ خصوصیات اللہ اکبر لیں گے تو آیت سے تعارض ہو گا۔{وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى}[2] یہاں اتنی بات ہے کہ ذکر رب ہونا چاہیے اور اسماء حسنیٰ سے ذکر رب ہو تو کافی ہے۔ ذکر رب عام ہے یہ فرض ہے نہ کہ الله اکبر ورنہ (آیت کے) عموم میں تخصیص لازم آئے گی اور خبر واحد سے تخصیص صحیح نہیں، کیونکہ کتاب اللہ قطعی ہے چونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ اس فعل یعنی اللہ اکبر سے شروع کیا ہے لہٰذا واجب ہے فرض نہیں ہے، حدیث سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔

١- مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں تین امور کا ذکر تین جملوں کے ساتھ ہے۔ مفتاح الصلاۃ الطھور وتحریمھا التکبیر وتحلیلھا التسلیم. جن میں سے مفتاح الصلاۃ الطھور کو امام صاحب نے لولاہ لامتنع کے درجے میں رکھتے ہوئے فرض قرار دیا ہے یعنی لولا الطہور لامتنع الصلوۃ، جبکہ باقی دو جملوں وتحریمھا التکبیر، وتحلیلھا التسلیم میں تکبیر اور تسلیم کو لولاہ لامتنع کے درجے میں نہیں رکھا، یعنی ان کے نہ ہونے کی وجہ سے نماز کی عدم صحت کا حکم نہیں لگایا بلکہ ان دونوں جملوں کو فصح لدخول الفاء کے درجے میں رکھا ہے، یعنی ان کے ساتھ نماز درست ہو جائے گی لیکن ان کے بغیر نماز فاسد نہیں ہو گی۔ تو یہ فرق امام صاحب نے کیوں فرمایا جبکہ تینوں ایک ہی حدیث کے جملے ہیں تو پھر طہارت اور تکبیر و تسلیم میں یہ فرق کیسا؟۔(م-ض)

٢ -[الأعلى: ١٥]

اس حدیث کے تین جملوں میں شوافع کے نزدیک فرق نہیں اور احناف کے نزدیک فرق ہے۔اور ایک حدیث ہے اس پر امام صاحب فرماتے ہیں کہ وضو کی فرضیت ہم اس حدیث سے ثابت نہیں کرتے بلکہ آیت قرآنیہ سے وضوء کی فرضیت ثابت ہے،ہاں یہ حدیث آیت کی مؤید تو ہے،جبکہ تکبیر (خاص اللہ اکبر) اور تسلیم کی فرضیت کے لیے اور کوئی مؤید نہیں قرآن میں بھی نہیں اور حدیث خبر واحد ہے،خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔شوافع کہتے ہیں کہ {يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ ،وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ }[1] سے فرضیت تکبیر (اللہ اکبر) ثابت ہے۔امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس آیت سے فرضیت مانیں تو قرآنی آیات کا آپس میں تعارض ہوگا {وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى}میں عموم ہے،اور دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت{وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ}میں نماز کا ذکر نہیں ہے۔

تحریمہ کی تکبیر (یعنی اللہ اکبر) کی فرضیت قرآن میں نہیں مگر وضو کی فرضیت صراحتاً ہے۔

اور شوافع نے جواب دیا ہے کہ یہ عام ہے اور عام کی تخصیص خاص سے ہو سکتی ہے حدیث نے تخصیص کر دی۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ عام بھی قطعی اور خاص بھی قطعی ہے اور شوافع خاص کی قطعیت کے قائل ہیں،امام صاحب شوافع سے پوچھتے ہیں کہ خاص قطعیت پر دلالت کیوں کرتا ہے خاص کی وضع اور دلالت مطابقی ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ جیسے وضع اور دلالت کے بارے میں خاص مطابقت رکھتا ہے اسی طرح عام بھی اپنی وضع کے اعتبار سے دلالت مطابقی رکھتا ہے اس کا جواب شوافع نے نہیں دیا۔لہٰذا اب عام کی پہلی تخصیص قطعی ہو اور وہ یہ ہے کہ عام کے متصل ہو ورنہ نسخ شمار کیا جائے گا۔شوافع پہلے سے عام کو ظنی مانتے ہیں اس لیے خبر واحد سے تخصیص کرتے ہیں۔

قیاس میں پانچ چیزیں ہوتی ہیں،حکم منصوص کو فرع کی طرف متجاوز کرتے ہیں،علت مشترکہ دونوں میں ہو،نص سے جو حکم ثابت ہوتا ہے کس طریقہ سے ثابت ہوتا ہے مجازاً ہے یا حقیقتاً ہے۔

تحليلها التسليم:

امام صاحب فرماتے ہیں کہ خروج بصنعہ فرض ہے جیسے تکبیر کی خصوصیت اللہ اکبر نہیں ایسے ہی خروج بصنعہ کے لیے بھی تسلیم کی خصوصیت نہیں،کیونکہ ایک نماز پڑھتے سارا وقت گزار دے تو مصلی کے ذمہ اور بھی فرائض ہیں وہ رہ جائیں گے لہٰذا خروج بصنعہ فرض ہے اور خروج بصنعہ پھر اختیاری ہے اور یہ عام ہے تسلیم اس کا ایک فرد ہے عام کو اس کے فرد واحد کے اندر منحصر کر دینا یہ ٹھیک نہیں،تسلیم موقوف علیہ بھی فصح لدخول الفاء ہے۔

---

١ -[المدثر: ١ - ٣]

علت مؤثرہ عام ہے اور علت کا معلوم کرنا مجتہد کا کام ہے، امام صاحب تسلیم کو علت تام نہیں مانتے دلیل کیا ہے؟ دو دلیلیں ہیں۔(ایک تو یہ ہے کہ) رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو نماز کی تعلیم دی اور فرمایا جب ثانی قاعدے کے لیے بیٹھ گیا تمہاری نماز ختم ہوئی، اس حدیث سے تسلیم کی فرضیت ثابت نہیں، صرف قعدہ کرنے سے نماز کے فرائض ختم ہوتے ہیں۔[1]

دوسری حدیث یہ ہے فأحدث بے وضو ہو گیا تو بس نماز پوری ہو گئی اور اس حدیث میں بھی سلام کا ذکر نہیں۔[2]

اس حدیث سے سلام کو فرض قرار دیا جائے تو ان دونوں حدیثوں سے تعارض ہو گا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ حدیث خبر واحد ہے فرض قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت سے ثابت ہوتا ہے جیسے قرآن پاک ہے مگر قرآن پاک کبھی کبھی قطعی الدلالت نہیں ہوتا جیسے مشترک ہے ثلاثة قروء وغیرہ اس کو ظنی الدلالت کہتے ہیں۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے فرضیت ثابت کرنا قانون کے خلاف ہے امام صاحب فرماتے ہیں کہ تسلیم کے ساتھ خروج واجب قرار دو تاکہ تمام روایات پر عمل ہو گا اور تعارض اُٹھ جائے گا۔

۱-حدثنا يحيى بن آدم، حدثنا زهير، حدثنا الحسن بن الحر، قال: حدثني القاسم بن مخيمرة، قال: أخذ علقمة، بيدي وحدثني، أن عبد الله بن مسعود، أخذ بيده، وأن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذ بيد عبد الله، فعلمه التشهد في الصلاة، قال: " قل: التحيات لله،والصلوات والطيبات، السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين - قال زهير: حفظت عنه إن شاء الله - أشهد أن لا إله إلا الله، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله "، قال: فإذا قضيت هذا، أو قال: فإذا فعلت هذا، فقد قضيت صلاتك، إن شئت أن تقوم فقم، وإن شئت أن تقعد فاقعد۔ [مسند أحمد ،مسند المكثرين من الصحابة،مسند عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه (٧/ ١٠٨) الناشر: مؤسسة الرسالة، ١٤٢١ هـ - ٢٠٠١ م]

٢. حدَّثنا أحمد بن يونس، حدَّثنا زهير، حدَّثنا عبد الرحمن بن زياد ابن أنعُمَ، عن عبد الرحمن بن رافع وبكر بن سَوادة عن عبد الله بن عمرو، أنَّ رسولَ الله - صلى الله عليه وسلم - قال: "إذا قضى الإمامُ الصَّلاةَ وقعدَ، فأحدَثَ قبلَ أن يتكلَّمَ فقد تَمَّتْ صلاتُه ومَن كان خلفَه ممَن أتمَّ الصَّلاةَ"[سنن أبي داود، باب الإمام يُحدِث بعد ما يرفع رأسَه من آخر رَكعة (١/ ٤٦١)]

١٤٢٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ مِرْدَاسٍ , ثنا أَبُو دَاوُدَ , ثنا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ , ثنا زُهَيْرٌ , عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زِيَادِ بْنِ أَنْعَمَ , عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ رَافِعٍ , وَبَكْرِ بْنِ سَوَادَةَ , عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو , أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا قَضَى الْإِمَامُ الصَّلَاةَ وَقَعَدَ فَأَحْدَثَ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُهُ وَمَنْ كَانَ خَلْفَهُ مِمَّنْ أَتَمَّ الصَّلَاةَ»[سنن الدارقطني، بَابُ مَنْ أَحْدَثَ قَبْلَ التَّسْلِيمِ فِي آخِرِ صَلَاتِهِ أَوْ أَحْدَثَ قَبْلَ تَسْلِيمِ الْإِمَامِ فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُهُ (٢/ ٢١٤)مؤسسة الرسالة، بيروت - لبنان، ١٤٢٤ هـ - ٢٠٠٤ م]

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھا کہ اپنی زوجہ کے قبلہ سے روزہ رہے گا یا نہیں؟تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مضمضہ سے روزہ کیسے ہو گا باقی رہے ا؟فرمایا اسی طرح قبلہ سے بھی روزہ باقی رہے گا، اور آپ ﷺ نے قیاس سے حکم بتایاہے، علت بھی نوع ہے اور معلول بھی نوع ہے،علت جنس ہو اور معلول نوع ہو اس کی مثال مضمضہ ہے)

بخاری عبد اللہ بن عقیل کو متقارب الحدیث کہتے ہیں بعض اس کو توثیق سے تعبیر کرتے ہیں اور بعض جرح میں داخل کرتے ہیں۔

باب ما يقول اذا دخل الخلاء

دثنا قتيبة وهناد قالا حدثنا وكيع عن شـعبة عن عبد العزيز بن صـهيب عن أنس بن مالك قال كان النبي صـلى الله عليه وسـلم إذا دخل الخلاء قال اللهم إني أعوذ بك قال شـعبة وقد قال مرة أخرى أعوذ بك من الخبث والخبيث أو الخبث والخبائث۔

اعتراض :یہاں بحث مطہرات سے ہے بے وضوء ہونا کوئی طہارت تو نہیں، مقصد یہ ہے کہ کتاب الطہارات سے مناسبت نہیں۔

جواب : یہ ہے کہ بول وبراز سے نماز میں وسوسے بہت پیدا ہوتے ہیں پیشاب آیااور پھر نماز پڑھنے لگاتو وساوس بہت آئیں گے، گندے خیالات کا نماز میں آنا یہ نجاست ہے اور اس کے دفع کاعلاج یہ ہے کہ تازہ وضو کرے تا کہ اطمینان سے نماز پڑھے اور یہ طہارت ہے اگر چہ پیشاب وغیرہ طہارت سے نہیں ہے مگر مقدمہ طہارت ہیں۔

اذا دخل الخلاء سے مراد اذا أراد الدخول فی الخلاء ہے کیونکہ دخول کے بعد اللہ کا نام لینا ٹھیک نہیں ہے،اس دعا کو پڑھنے کی وجہ کیاہے، علماء نے فرمایاہے کہ شیاطین نجس ہیں اور پاخانہ مقام نجس ہے اور شیطان کا مقام ہے لہٰذا یہ دعاپڑھے تا کہ ان سے بچ جائے۔

أعوذ بالله من الخبث والخبائث میں ایک متن حدیث کا جھگڑا ہے اور ایک سند کا!

جنوں کی ایک خباثت ہمارے ساتھ یہ ہے کہ وہ وساوس ڈالتے ہیں یہ روحانی ایذاء ہے، سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ کو پاخانہ میں جنوں نے قتل کر دیا یہ جسمانی ایذاء ہے۔

سند میں اضطراب یہ ہے بعض سندوں میں قتادہ آیااور ان کے چار شاگرد ہیں۔

اضطراب کے اسباب: تقدیم و تاخیر، ابدال، زیادتی و کمی۔ ابدال کے معنیٰ کیا ہیں؟ قتادہ کے چار شاگرد ہیں ایک شاگرد کہتا ہے کہ میرے استاد قتادہ نے بکر بتایا ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ بکر نہیں خالد ہے یہ ابدال ہے۔

زیادتی و کمی کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی سند میں ایک شاگرد کہتا ہے کہ میرے استاد قتادہ اور ابوہریرہ کے درمیان بکر کا واسطہ ہے، دوسرا شاگرد کہتا ہے نہیں میرے استاد نے براہ راست روایت ابوہریرہ سے سنی ہے۔

تقدیم تاخیر یہ ہے کہ ایک شاگرد کہتا ہے کہ قتادہ روایت کرتے ہیں زید سے اور زید خالد سے اور دوسرا کہتا ہے کہ قتادہ روایت خالد سے کرتا ہے اور خالد زید سے کرتا ہے، اس قسم کی بات آئی تو معلوم ہوا کہ استاد غلطی کرتا ہے یا شاگرد نے غلط سمجھا یوں بول دیا۔

اجمال یہ ہے کہ قتادہ اور صحابی کے درمیان واسطہ ہے یا نہیں، (اور تعیین صحابی میں اختلاف ہے) زید بن ارقم ساٹھ ۶۵ھ ہجری میں فوت ہوئے ہیں جبکہ قتادہ ۶۱ھ ہجری میں پیدا ہوتے ہیں (یعنی زید بن ارقم کے انتقال کے وقت قتادہ کی عمر صرف چار سال تھی جو روایت کی عمر نہیں) اب زید بن ارقم اور قاسم دونوں نہیں ہو سکتے!

نضر بن انس اور قاسم دو رہ گئے۔ تین احتمالوں میں سے دو پہلے گر گئے تھے ایک احتمال رہ گیا وہ نضر بن انس اور قاسم ہے، اس تحقیق سے واسطہ متعین ہوا، تعیین صحابی رہ گیا، یہ اضطراب باقی ہے اس کو اپنے ترمذی نے اُٹھایا کہتا ہے فی زید بن اَرقم اضطراب، اس سے اشارتاً اضطراب دور ہوا۔

باب ما يقول إذا خرج من الخلاء

دثنا محمد بن إسماعيل قال حدثنا مالك بن إسماعيل عن إسرائيل بن يونس عن يوسف بن أبي بردة عن أبيه عن عائشة رضي الله عنها قالت كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا خرج من الخلاء قال غفرانك..غفرانک، سبحانک وغیرہ کا فعل محذوف ہے، أطلب غفرانک!

غفرانک پہ شبہ ہے کہ استغفار موذی سے اور گناہ سے ہوتا ہے، بیت الخلاء سے آنا گناہ تو نہیں ہے محل مغفرت نہیں ہے پھر أطلب غفرانک کیوں فرمایا؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کے سارے گناہ معاف تھے پھر آپ ﷺ نے تحصیل حاصل کیا۔

جواب؛ بعض علماء کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی حیثیت سب سے اونچی ہے اور بڑے کے لیے ضروری ہے کہ ہر وقت ذکر اللہ کرے، ذکر اللہ ترقی کا سبب ہے اور ذکر اللہ چھوڑنا تنزل کا سبب ہے، چونکہ بیت الخلاء میں ذکر اللہ نہیں ہوتا ہے (اور اسی طرح ریڈیو میں قرآن پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ گانا گانے کا محل ہے۔)

آپ ﷺ کی شان ذکر اللہ سے بڑھتی تھی موقوف کر دینا خلاف اولیٰ تھا اس لیے غفرانک فرمایا۔

بعض فرماتے ہیں کہ مغفرت کے علم کے بعد غفرانک نہیں فرمایا۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ غفرانک تعلیماً للأمة ہے۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے گناہ نہیں تھے تواضعاً پڑھتے تھے انکسار نفس کی وجہ سے پڑھتے تھے۔

اور ایک توجیہ علماء نے یہ کی کہ گناہوں کی کئی قسمیں ہیں، ایک یہ ہے کہ نعمت کا شکریہ ادا نہ کرنا آپ ﷺ نے عورتوں کو کہا کہ تم زیادہ جہنم میں جاؤ گی، پوچھا گیا تو فرمایا کہ عبادات میں کمی ہے زمانہ حیض میں نماز نہیں ہے۔

اور فرمایا؛أَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الحَازِمِ۔[1] اور یہ بھی ہے کہ زوج ساری عمر خدمت کرے ایک کمی ہو جائے تو کہتی ہیں کہ تیرے گھر میں کچھ بھی نہیں پایا۔ میبذی میں ہے شخص حیوان کی نشو نما قوت غاذیہ، قوت نامیہ، قوت مولدہ سے ہوتی ہے، قوت مولدہ جوانی کے بعد حیوان میں پیدا ہوتی ہے، دس ادراکات اللہ تعالیٰ نے حیوانات کو دیے ہیں، پانچ حواس ظاہری بھی اس میں سے ہیں اور پانچ قوت باطنی ہیں۔ حس مشترک میں حواس خمسہ ظاہرہ سے چیزیں اندر جاتی ہیں اس کے بعد قوت حافظہ میں جاتی ہیں، بعض معانی جزئیہ حواس خمسہ سے معلوم نہیں ہوتے مگر وہم ان کو معلوم کرتی ہے، جیسے محبت، عداوت وہم سے معلوم ہوتے ہیں، وہم مدرک معانی جزئیہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا مزید انعام انسانوں پر ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان قوت عقلیہ سے نوازا گیا ہے اور یہ دیگر حیوانات میں نہیں ہے، اور قوت غاذیہ کی خدمت کرنے والی چار چیزیں ہیں، قوت غاذیہ، قوت جاذبہ، قوت ماسکہ، وقت دافعہ۔

قوت غاذیہ رستہ بنا دیتی ہے، جاذبہ کے ذریعہ خود بخود اندر چلا جائے گا، قوت ماسکہ نہ ہو تو فوراً پیٹ سے غذا نکل جاتی ہے، وہاں قوت ماسکہ کام کرتی ہے اور اس کے بعد بعد قوت دافعہ کام کرتی ہے۔

بعض نے غفرانک کی وجہ بڑی لطیف بیان کی ہے، ترک عبادات فعل سیئات کو کہتے ہیں اور ایک یہ ہے کہ ذکر اللہ نہ کرنا بھی گناہ ہے اور ایک یہ ہے کہ بول وبراز سے انسان اپنے گناہوں پر متنبہ ہوتا ہے کہ ایک اعلی اور پاک چیز کھاتا ہے اور ہمارے اندر جا کر وہ خراب ہوتی ہے تو انسان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ ہمارے اندر ایک مشین ناپاک ہے باطن میں ایک چیز ہے جس سے پاک چیز ناپاک ہوتی ہے ممکن ہے کہ ہماری عبادات غیر مقبول ہوں، لہٰذا انسان استغفار کرے، کسی وقت مستغنی نہیں۔

---

[1] - «يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَإِنِّي أُرِيتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ» فَقُلْنَ: وَبِمَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: «تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ، وَتَكْفُرْنَ العَشِيرَ، مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِينٍ أَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ»[صحيح البخاري، بَابُ تَرْكِ الحَائِضِ الصَّوْمَ (١/ ٦٨)، الناشر: دار طوق النجاة،الطبعة: الأولى، ١٤٢٢هـ]

اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے، حسن وہ حدیث ہے کہ جس کے راوی میں ضبط کا نقصان ہو اور غریب کے معنٰی عرف میں ناواقف ہے، حدیث میں یہ مراد نہیں ہے۔ بدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا، وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ غَرِيبًا۔[1] حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اسلام غیر مانوس تھا جس سے انس نہ تھا۔

ایک حدیث کو فرد مطلق کہتے ہیں، فرد مطلق وہ ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم سے کسی نے بیان کی، تابعی میں سے صرف ایک آدمی نے سنا یہ فرد مطلق غریب مطلق ہے، جیسے عبد اللہ بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی۔ حدیث غریب کے لیے ضعف لازمی نہیں ہے اور کسی نے نہ سنی ہو، صحابی کو سند کی ضرورت نہیں، تابعی کو سند کی ضرورت ہے، اگر ایک تابعی نے ایک حدیث ایک صحابی سے سنی تو یہ ہے فرد مطلق۔ اور ایک حدیث یہ ہے کہ تابعی سے تبع تابعی نے سنی اور کسی کو معلوم نہیں اسے فرد نسبی اور غریب اضافی کہتے ہیں، اور اس کا راوی حافظ ضابط ہے تو یہ حدیث حسن ہے۔

حسن غریب کو جمع کرنا اجتماع ضدین ہے، یہ حدیث غریب مطلق بھی ہے اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور غریب نسبی بھی ہے کیونکہ یوسف سے روایت کرنے والا صرف اسرائیل ہے۔ جواب وہی ہے جو حسن صحیح کا تھا۔

غریب کی دو قسمیں ہیں ایک غریب سنداً (سند کے اعتبار سے) ہے اور ایک غریب متناً (متن کے اعتبار سے) ہے، غریب سنداً کی مثال یہ ہے کہ بہت آدمی ایک صحابی سے روایت کریں اور دوسری روایت کے اعتبار سے ایک صحابی سے ایک تابعی روایت کرتا ہے یہ غریب سنداً ہے اور اس کو ترمذی غريب من هذا الوجه سے تعبیر کرتا ہے۔

یالفظ اَو حذف کرو مجاز بالحذف، یا حسن میں تاویل کرو یا غریب میں تاویل کرو یا دونوں میں تاویل کرو، حسن کی تاویل ما يميل اليه الطبع اور غریب کی تاویل یہ کرو جو اوپر ذکر ہوا، یا یہ کہ امام ترمذی کے نزدیک جو غریب ہے اوروں (یعنی دیگر محدثین) کے نزدیک نہیں ہے۔

باب في النهي عن استقبال القبلة بغائط أو بول

حدثنا سعيد بن عبد الرحمن المخزومي قال حدثنا سفيان بن عيينة عن الزهري عن عطاء بن يزيد الليثي عن أبي أيوب الأنصاري قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أتيتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة بغائط ولا بول ولا تستدبروها ولكن شرقوا أو غربوا فقال أبو أيوب فقدمنا الشام فوجدنا مراحيض قد بنيت مستقبل القبلة فننحرف عنها ونستغفر الله.

---

[1] - «بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا، وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ غَرِيبًا، فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ»[صحيح مسلم، باب بدأ الإسلام غريبًا (١/ ١٣٠)]

قبلہ کے آداب بتاتے ہیں کہ قبلہ کی طرف نہ تھوکو اور نماز کے وقت جو تایمین میں نہ رکھے لہٰذا سامنے رکھنا بطریق اولی جائز نہیں ہے۔

جواز البول الی القبلہ میں ایک حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور ایک حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حدیث ہے اور ایک حدیث میں استدبار اور استقبال دونوں منع ہیں تو تعارض ہو گیا!

بعض ائمہ نے استدبار اور استقبال دونوں کو مکروہ کہاہے یہ حنفیہ کا مسلک ہے۔

استدبار رجائز ہے فی البنیان اور استدبار مطلقاً منع ہے یہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

اور امام مالک اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صحراء میں ناجائز ہے اور بنیان میں جائز ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ استقبال اور استدبار کا فرق بھی ٹھیک نہیں اور بنیان اور صحراء کا فرق بھی ٹھیک نہیں، مطلقاً استقبال واستدبار منع فرماتے ہیں۔

امام شافعیؒ نے حائل اور غیر حائل کا فرق کیاہے۔ اور ایک مذہب اہل ظواہر کا ہے جو دونوں کے جواز کے قائل ہیں۔ ان مذاہب میں امام صاحب کے مذہب کو ترجیح دی جاتی ہے، تعارض سب مانتے ہیں خواہ شوافع ہوں، مالکیہ ہوں، حنابلہ ہوں، ظواہر ہوں یا حنفیہ ہوں۔

اہل ظواہر ایجاب کلی کے قائل ہیں اور امام صاحبؒ سلب کلی کے قائل ہیں، مدینہ شریف قبلہ کے شمال میں واقع ہے یہ شرقوا أو غربوا کا حکم ان کو تھا۔ فننحرف کے دو معانی ہیں، وہاں سے ہٹتے تھے یا حتی الامکان قبلے سے رُخ پھیرتے تھے۔

تعارض کے رفع کی صورتیں:

۱۔ نسخ سے تعارض اُٹھ جاتاہے ایک پر عمل کرو دوسری منسوخ!

۲۔ تقدیم و تاخیر، تاریخ سے معلوم نہ ہو اور پھر ایک حدیث پر عمل کیا جائے اور دوسری چھوڑ دی جائے تو ترجیح ہے، راجح پر عمل کرو اور مرجوح چھوڑ دو، دلائل عقلیہ نقلیہ سے ایک حدیث راجح ہو جائے تو اس پر عمل کیا جائے گا۔

۳۔ دونوں حدیثوں پر عمل کرو تطبیق کی کوشش کرو!

۴، نسخ بھی نہیں ترجیح بھی نہیں اور تطبیق بھی نہیں ہو سکتی تو دونوں کو ساقط کر دو" اذا تعارضا تساقطا" اور بعض فرماتے ہیں کہ تخییر ہے کبھی ایک پر عمل کرو اور کبھی دوسرے پر، اصل اشیاء میں حلت ہے۔

اکثر علماء کے نزدیک اصل اشیاء میں اباحت ہے، شریعت نے پابندی لگائی، اور بعض فرماتے ہیں کہ اصل اشیاء میں حرمت ہے شریعت ہمیں حل بتلائے گی کیونکہ تمام اشیاء اللہ کی ہیں، اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر تصرف کرنا تصرف فی ملک الغیر لازم آئے گا۔ بعض علماء کہتے ہیں لا تستقبلوا ولا تستدبروا منسوخ ہے کیونکہ اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے استقبال فرمایا ہے اور جو ان دونوں کو منسوخ مانتے ہیں ان کے ہاں اباحت شرعی ہے اور جو تساقط کے قائل ہیں یہ کہتے ہیں کہ یہ اباحت اصلی ہے شرعی نہیں ہے۔ معنون میں دونوں ایک ہیں اور عنوان میں فرق ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ صرف ابو ایوب انصاری کی حدیث پر عمل ہے اور امام شافعیؒ دونوں معارض مانتے ہیں پھر اپنے قانون کے تحت دونوں حدیثوں پر عمل کرتے ہیں۔

احتمال عقلی: دونوں حدیثیں متروک یا دونوں پر عمل یا ایک پر عمل دوسری کو چھوڑیں؟ دونوں معمول بہا من وجہ ہیں۔ ان میں دو مذہب ہیں امام شافعی، امام احمد، امام شافعی بنیان وصحراء میں فرق کرتے ہیں اور امام احمد استقبال اور استدبار میں فرق فرماتے ہیں، امام صاحب دیگر تمام کو جواب دیتے ہیں، تعارض تب ہو گا کہ قوت میں دونوں حدیثیں برابر ہوں اور یہاں فعلی حدیثیں ضعیف ہیں، تعارض نہیں۔ استقبال والی حدیث میں محمد بن اسحاق ہے اور یہ ضعیف ہے اور استدبار میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔

ضعف سے دو مذہب اُٹھ گئے، ناسخ والی روایت اور ساقط والی حدیث میں بھی تعارض ضروری ہے اور یہاں تعارض نہیں۔ اور ایک حدیث پر عمل ہو گا، اس میں دو مذہب ہیں، امام شافعی تطبیق کے قائل ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ تطبیق اس وقت دی جائے کہ دونوں میں قوت مساوات ہو۔

اور امام صاحب ایک جواب اور دیتے ہیں کہ چلو قوت میں دونوں حدیثیں برابر ہیں مگر ہر صحیح حدیث پر عمل کرنا ضروری نہیں عمل صرف عدم استقبال واستدبار والی حدیث پر ہے۔

صحابی کا استقبال کرتے ہوئے دیکھنا ظنی ہے کیونکہ قضاء حاجت کے وقت معمولی آدمی کی طرف دیکھنا مشکل ہے بڑے آدمی کو کیسے دیکھ سکتا ہے۔

حدیث صحیح پکی ہے، سند ٹھیک ہے مگر ظنی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ فعل کی بناء اعذار پر مبنی ہے یا خصوصیت پر، مگر قولی حدیث کے حکم میں ہے، اس میں کوئی شک نہیں شاید آپ نے عذر سے کیا ہو گا، یا آپ ﷺ کی خصوصیت ہو!

اور ایک بات یہ بھی ہے کہ جو لوگ مکہ میں رہتے ہیں ان کا قبلہ "عین قبلہ" ہے اور باہر والوں کے لیے "جہت قبلہ" قبلہ ہے۔ لیکن چونکہ بیت اللہ آپ ﷺ پر منکشف ہوا ہوگا آپ ﷺ نے جہت قبلہ پیشاب کیا جو اوروں کا قبلہ ہے عین قبلہ کی طرف پیشاب نہیں کیا۔ اور بعض لوگوں نے یہ جواب دیا ہے کہ آپ ﷺ بیت اللہ سے اشرف ہیں بس آپ ﷺ تو عین قبلہ کی طرف پیشاب کر سکتے ہیں اوروں کے لیے یہ قانون نہیں بن سکتا۔

اور امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ فعلی حدیث پر قولی حدیث کو ترجیح حاصل ہے مذکورہ وجوہ کی بنا پر، اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ دونوں قولی ہیں مگر ایک سے حلت ثابت ہے اور ایک سے حرمت، اور اصولیین کا قاعدہ ہے کہ حلت و حرمت میں تعارض آئے تو حرمت کو ترجیح ہے۔

اذا أتیتم الغائط مقدم ہے فلا تستقبلوا القبلة تالی ہے، دو علتیں بیان فرمائی اتیان غائط بھی لا تستقبلوا کی علت ہے اور تعظیم قبلہ بھی لا تستقبلوا کی علت ہے فعلی حدیث میں صرف ایک علت ہے۔ اور تعظیم قبلہ کے کفار بھی قائل ہیں جب علل موجود ہوں تو معلول کا ہونا ضروری ہے۔ اور بعض اصولیین عدم کو علت بناتے ہیں مگر یہ مردود ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ لا تستقبلوا عام ہے اور اس کی تخصیص کر دی گئی ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ تخصیص نے عام کے ایک فرد کو بالکل باطل کر دیا، عام کے دو فرد تھے بنیان اور صحراء میں استقبال نہ ہو اور آپ نے ان فردوں میں سے ایک فرد کو ختم کر دیا یہ تخصیص ٹھیک نہیں ہے اور اس کو تطبیق بھی نہیں کہا جا سکتا اطلاق و عموم دونوں باطل ہوتے ہیں۔ عام قطعی ہے تخصیص سے عام کی قطعیت باطل نہ کی جائے۔

کرہ کا ایک افق ہے اس سے اوپر فوقانی حصہ کہتے ہیں اور نیچے کو تحتانی مشرق کی طرف منہ کریں پھر دیکھو تو جنوب و شمال معلوم ہوگا یہ خط استواء کا کام ہے، خط نصف النہار سے مشرق و مغرب معلوم ہوتے ہیں، نصف النہار سے قبل مشرق ہے اور نصف النہار کے بعد مغرب ہے، خط نصف النہار سے زمین کے چار ٹکرے ہوتے ہیں:

شمال مشرق، جنوب مشرق، شمال مغرب، جنوب مغرب!

مدینہ طیبہ شمال میں واقع ہے،شرقوا او غربوا کا حکم ان کے لیے ہے یہ حکم عام نہیں ہے۔

ننحرف کا معنیٰ ہے جنگل کی طرف جاتے تھے پاخانہ میں نہیں بیٹھتے تھے،تو اشکال پڑے گا۔

نستغفر کا کیا معنیٰ ہے؟اور اگر ننحرف کا معنیٰ یہ ہو کہ کچھ اپنے آپ کو قبلہ سے ہٹا کر بیٹھ جاتے تھے اور استغفار بھی کرتے تھے تو اب ٹھیک ہے،تو پاخانہ بنانے والے اکثر مسلمان تھے اس لیے ان کے واسطے استغفار کرتے تھے۔

أحسن شيئ اور أصح شيئ سے امام صاحب کی تائید بن جاتی ہے تبع تابعین کے زمانے میں زہریؒ کی بھی بڑی مجلس تھی جیسے کہ ہندوستان میں حدیث کی تمام سندیں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تک جاتی ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ مِنَ الرُّخْصَةِ فِي ذَلِكَ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَا: حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ أَبَانَ بْنِ صَالِحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: «نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ بِبَوْلٍ»، فَرَأَيْتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْبَضَ بِعَامٍ يَسْتَقْبِلُهَا.

محمد بن اسحاق کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہے،ابن لهيعة یہ محدثین میں ضعیف مشہور ہیں۔

حدَّثَنَا هَنَّادٌ قال: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنْ عَمِّهِ وَاسِعِ بْنِ حَبَّانَ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: رَقِيتُ يَوْمًا عَلَى بَيْتِ حَفْصَةَ، «فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى حَاجَتِهِ مُسْتَقْبِلَ الشَّامِ مُسْتَدْبِرَ الْكَعْبَةِ».

بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْبَوْلِ قَائِمًا

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا شَرِيكٌ، عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ شُرَيْحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «مَنْ حَدَّثَكُمْ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَبُولُ قَائِمًا فَلَا تُصَدِّقُوهُ، مَا كَانَ يَبُولُ إِلَّا قَاعِدًا»-----------وَإِنَّمَا رَفَعَ هَذَا الْحَدِيثَ عَبْدُ الْكَرِيمِ بْنِ أَبِي الْمُخَارِقِ، وَهُوَ ضَعِيفٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ؛ ضَعَّفَهُ أَيُّوبُ السَّخْتِيَانِيُّ وَتَكَلَّمَ فِيهِ. تکلم فیہ:فی تکلم کا صلہ آئے تو اعتراض ہوتا ہے۔

وَمَعْنَى النَّهْيِ عَنِ الْبَوْلِ قَائِمًا عَلَى التَّأْدِيبِ لَا عَلَى التَّحْرِيمِ وَقَدْ رُوِيَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: «إِنَّ مِنَ الْجَفَاءِ أَنْ تَبُولَ وَأَنْتَ قَائِمٌ» الجفاء صلابت قلبی کو کہتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي ذَلِكَ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، قال: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى سُبَاطَةَ قَوْمٍ، فَبَالَ عَلَيْهَا قَائِمًا، فَأَتَيْتُهُ بِوَضُوءٍ، فَذَهَبْتُ لِأَتَأَخَّرَ عَنْهُ، فَدَعَانِي حَتَّى كُنْتُ عِنْدَ عَقِبَيْهِ، فَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ»

عزیمت اصلی حکم کو کہتے ہیں اور رخصت اصلی حکم میں سفر میں یا کسی اور عذر شرعی سے اختیار ملتا ہے چاہے روزے پورے رکھے یا بعد از سفر قضاء کرے یہ باب ما قبل والے باب سے متعارض ہے پہلے سلب کلی تھا اور یہاں ایجاب جزئی ہے۔اور امام ترمذی نے تعارض کو اُٹھایا کہ اس باب میں رخصت ہے اور ما قبل والے باب میں عزیمت تھی اور بعض علماء جواب دیتے ہیں کہ قائماً پیشاب بُرا ہے مگر جواز بتلانے کے لیے آپ ﷺ نے ایک دفعہ پیشاب قائماً کیا مگر حرام کام پیغمبر نہیں کر سکتا۔

اور بعض علماء کہتے ہیں کہ کچھ مواضع باعتبار فاعل کے اور کچھ قابل کے تھے فاعل آپ ﷺ تھے آپ ﷺ کی کمر شریف میں درد تھا اور مابضہ [1] ایک رگ تھی ساق میں، اس میں درد تھا،اس لیے آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا جواز بتلانا مقصود نہیں۔یا قابل کی حیثیت سے موانع تھا وہ یہ کہ جہاں پیشاب کیا وہاں جگہ نجس تھی بیٹھنا مشکل تھا۔

اور بعض فرماتے ہیں کہ عرب میں دستور تھا رواج تھا کہ کمر میں درد ہو تو کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے درد ٹھیک ہوتا ہے۔اور بعض کہتے ہیں سباطة ڈھیر کو کہتے ہیں اگر بیٹھ کر پیشاب کرتے تو اوپر سے نیچے آتا کپڑے خراب ہوتے لہٰذا کھڑے ہو کر پیشاب کیا کپڑے محفوظ رکھنے کے لیے۔

اب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سلب کلی مشکل ہو گیا کیونکہ ایجاب جزئی پائی گئی سلب کلی کے لیے ایجاب جزئی مضر ہے۔اس لیے بعض علماء نے جواب دیا ہے کہ حضرت عائشہؓ اندرون خانہ کے احکام بتاتی ہے اور آپ ﷺ نے گھر میں کھڑے ہو کر پیشاب نہیں فرمایا تو سلب کلی اضافی ہو گئی، سلب کلی باعتبار بیت کے ہے، سلب کلی میں تاویل کی۔

یا بعض یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ ہمیشہ پیشاب قاعداً کرتے تھے کھڑے ہو کر ایک دفعہ پیشاب کیا اور یہ عادت کے خلاف نہیں ہے تو حضرت عائشہؓ نے عادت بتلادی ہے کہ ہمیشہ قاعداً پیشاب فرماتے تھے اور بعض نے یوں تطبیق دی ہے:

ما كان يبول الا قائما کان کا لفظ جب مضارع پر آتا ہے تو ایجاباً وسلباً استمرار کا فائدہ دیتا ہے۔

وما هم بمؤمنين قرآن نے فرمایا اصلی جواب وما آمنوا کہتے، بیضاوی نے فرمایا کہ جملہ اسمیہ سلب استمرار کا فائدہ دیتا ہے اور یہاں استمرار فی السلب ہے استمرار فی السلب میں بہت مبالغہ ہے، مطلب یہ ہے کہ سلب ایمان ہمیشہ رہے گا اور سلب استمرار اور ہے اس لیے دفع ایجاب کلی غیر ہے سلب کلی غیر ہے۔

---

[1] والمآبض جمع: مأبض، بِسُكُون الْهمزَة بعْدهَا بَاء مُوَحدَة ثمَّ ضاد مُعْجمَة، وَهُوَ: بَاطِن الرّكْبَة.[عمدة القاري شرح صحيح البخاري،بابُ البَوْلِ قائِماً وقاعِداً(٣/ ١٣٦) الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت]

کان یبول قائماً:

ہمیشہ کھڑے ہو کے پیشاب کرتے تھے اس کی تصدیق نہ کرو یعنی استمرار کی تصدیق نہ کرو، اب کبھی کھڑے ہو کر پیشاب کیا تو کوئی حرج نہیں، نفی استمرار کی ہوئی موجبہ کلیہ کی نفی ہے سلب کلی اور ایجاب جزئی دونوں سے ایجاب کلی باطل ہوتا ہے یعنی ایجاب کلی کی تصدیق نہ کرو۔

وما کان یبول الا قاعدا :

استثناء میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ مغیر ہے۔امام صاحب کا یہ مذہب ہے کہ جب کسی کلام کے آخر میں مغیر ہے تو اول کلام میں حکم نہیں۔(غالباً یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ استثناء صرف آخری جملہ سے ہو گا کیونکہ یہی بات یقینی ہے۔)

لا الہ الا اللہ میں شوافع وحنفیہ کا اختلاف ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں تمام الہٰ باطل کا سلب ہو گیا، ایجاب میں سکوت ہے، اللہ کا وجود اور ادلہ سے ثابت ہے۔

اور شوافع دو حکم متناقض مانتے ہیں کہ لا الٰہ میں خدا کی کلی نفی ہوئی اور الا اللہ میں خدا کا اثبات ہوا۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ الا اللہ میں حکم ثبوتی نکالتے ہو، اللہ اور الا اللہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا، حکم کے لیے دو جملے ضروری ہیں اور یہاں دو جملے نہیں، حکم مطابقی نہیں ہے لفظوں سے حکم ثابت نہیں ہوتا الا اللہ سے، اللہ تعالیٰ نفی سے خارج ہے حکم معلوم نہیں۔

{فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا}[1]

فلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ پر شوافع کے نزدیک حکم لگ گیا تو (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کاذب ہونگے اور امام صاحب فرماتے ہیں کہ تکلم بالباقی کرو تاکہ کذب لازم نہیں آئے گا یعنی الَّا خَمْسِينَ کے بعد حکم لگاؤ، عدم اعتبار اور اعتبار عدم میں فرق ہے۔

ما کان یبول الا قاعدا:

ماکان یبول مستثنیٰ منہ محذوف ہے، نکرہ سیاق نفی میں آجائے تو نکرہ عام ہو جاتا ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کان یبول قائما الا قاعداً عام حکم لگ گیا یعنی مستثنیٰ منہ پر حکم لگ گیا پھر الا قاعداً پر دوسرا حکم لگتا ہے۔

---

[1] [العنکبوت: ۱۴]

حاصل محصول کی وجہ اشکال بتادیتا ہوں؛ وہ یہ ہے کہ حرف غیر مستقل ہے اور اسم مستقل ہے،فی للظرفیۃ میں فی مستقل ہو گئی اور اسماء لازمۃ الاوصاف بھی مستقل نہیں لہٰذا یہ حرف ہو گیا یعنی اسماء حرف بن گئے اور حرف اسماء بن گئے۔

حاصل محصول نے اس کا جواب دیا ہے، یہ جواب حمد اللہ پڑھنے سے آتا ہے، گر یہ ہے کہ استقلال اور لا استقلال کی دو قسمیں ہیں ایک نفس الامر ہے اور ایک اعتباری ہے، اعتبار معتبر کے تابع ہے یہ ذہن کے تابع ہے۔

اعراض نفس الامر میں غیر مستقل ہیں الدار فی نفسھا، دار کا لحاظ فی نفسھا کرو (تخلیہ قصدیہ، یعنی تخلیہ تعدیہ کرنا یا خلط کرنا) چوڑائی کا لحاظ نہ کرو، اب فی کو معراء کرو لوازمات سے، فی نفسہ اعتبار کرو۔

جیسے کہ السماء فی الکوز میں کوز کا لحاظ نہ کرو تو فی مستقل ہے اور لوازمات کا لحاظ کرو گے تو غیر مستقل ہے۔

(لااله الا الله میں) الا سے پہلے نفی کا حکم ہے اور بعد میں اثبات کا، پہلے حکم عام تھا سلب کلی ہے الا کے بعد ایجاب جزئی ہے لہٰذا حکمین متناقضین بن گئے تو امام صاحب کے نزدیک پہلے حکم ہی نہیں ہے نہ عام نہ خاص الا قاعداً کے بعد حکم لگے گا، الا سے قاعداً کو نکال کر حکم لگاؤ۔

حمادبن أبي سليمان،وعاصم بن بهدلة، اعمش سے ابدال کرتے ہیں اور منصور وعبیدہ الضبی اعمش کے موافق ہیں، پہلے تین کی حدیث صحیح ہے بس اضطراب اُٹھ گیا۔

ما كان يبول قائما الخ ما کے آنے سے پہلے ایجاب کلی استمرار اور جب ما آئے تو ایجاب کلی اور استمراری کا سلب کرتی ہے اس کو رفع ایجاب کلی کہتے ہیں۔

وما كان ظلاما للعبيد میں بھی یہ بات ہے رفع ایجاب کلی کی نقیض سلب کلی اور سلب جزئی دونوں ہیں لیکن سلب جزئی لازم نقیض ایجاب کلی ہے، كل انسان حيوان موجبہ کلیہ ہے ليس بكل حيوان انسان یا ایجاب کلی کے سلب کو مکیف کیا ہو ما كان کے ساتھ تو اس کو استمرار فی السلب کہتے ہیں۔

باب في الاستتار عند الحاجة

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلاَمِ بْنُ حَرْبٍ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ الْحَاجَةَ لَمْ يَرْفَعْ ثَوْبَهُ حَتَّى يَدْنُوَ مِنَ الأَرْضِ.

هَكَذَا رَوَى مُحَمَّدُ بْنُ رَبِيعَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَنَسٍ، هَذَا الْحَدِيثَ. وَرَوَى وَكِيعٌ، وَالْحِمَّانِيُّ، عَنِ الأَعْمَشِ، قَالَ: قَالَ ابْنُ عُمَرَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ الْحَاجَةَ لَمْ يَرْفَعْ ثَوْبَهُ حَتَّى يَدْنُوَ مِنَ الأَرْضِ.

وَكِلاَ الْحَدِيثَيْنِ مُرْسَلٌ، وَيُقَالُ: لَمْ يَسْمَعِ الأَعْمَشُ مِنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، وَلاَ مِنْ أَحَدٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ نَظَرَ إِلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: رَأَيْتُهُ يُصَلِّي فَذَكَرَ عَنْهُ حِكَايَةً فِي الصَّلاَةِ.

صحابہ کبیر وصغیر وبینہما، اور اسی طرح تابعی کبیر وصغیر وبینہما، ہر ایک کے تین درجے ہیں۔

مرسل کہنا اصطلاح کے مطابق صحیح ہے کیونکہ حدیث مرسل یہ ہے کہ تابعی کہہ دے قال رسول اللہ ﷺ ، اس کو تدلیس بھی کہتے ہیں لہٰذا صحابی موجود ہے اصطلاحی مرسل نہیں ہے۔

منقطع اور معضل میں اصطلاحی فرق ہے، یہاں پر اعمش کا استاد مذکور نہیں حدیث منقطع ہوئی نہ کہ مرسل اور منقطع کو بالمعنی الاعم مرسل کہتے ہیں۔

صحابی صغیر وہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے مگر زیادہ تعلیم و تعلم نہ کیا ہو اور صحابی کبیر وہ ہے کہ جس نے رسول اللہ ﷺ سے خوب تعلیم و تعلم رکھا ہو اور حضرت اعمش کو تابعی صغیر کا درجہ حاصل ہے کیونکہ انہوں نے حضرت انس سے زیادہ تعلیم و تعلم نہیں رکھا ہے صرف ملاقات ہوئی کوئی صحابی اس کا استاد نہیں، اعمش اس لیے کہتے ہیں کہ آنکھوں میں تکلیف تھی آنسو بہتے تھے آنکھ کی بیماری کو عمش کہتے ہیں۔

وَالأَعْمَشُ اسْمُهُ سُلَيْمَانُ بْنُ مِهْرَانَ أَبُو مُحَمَّدٍ الْكَاهِلِيُّ، وَهُوَ مَوْلًى لَهُمْ. قَالَ الأَعْمَشُ: كَانَ أَبِي حَمِيلاً فَوَرَّثَهُ مَسْرُوقٌ.

الکاهلي قبیلہ ہے، اکثر اوقات نسباً قبیلے کی طرف نسبت ہوتی ہے اور یہاں یہ بات نہیں ہے یعنی نسبا نہیں ہے۔

مولی یہ مولاء موالات، مولاء اسلام، مولاء عتاقہ (مختلف قسم کا ہوتا ہے)۔

غلام مولیٰ اسفل ہے اور آقا مولاء اعلی ہے، مولیٰ لہم کا ایک معنیٰ یہ ہے کہ مولیٰ عتاقہ ہے۔

مولیٰ اسلام یہ ہے کہ کسی کافر کو کسی نے مسلمان کر دیا اور دونوں کو مولیٰ کہتے ہیں۔

مولاء الموالات وہ ہے کہ ایک شخص مجہول النسب معاہدہ کرے کہ میں مر گیا تو میرا مال تم لے جاؤ، مگر میرا نقصان برداشت کرنا۔ حمیل وہ چھوٹا بچہ جس کو ماں لے آئے یا بھائی لے کر آیا ہو دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف۔

مسروق اور قاضی شریح مشہور قاضی تابعین ہیں، مسروق کو بچپن میں چور لے گئے تھے۔

جو عورت کہتی ہے کہ میرا لڑکا ہے دارالحرب سے لائی ہے پھر میراث مل جائے گی۔

قَالَ الأَعْمَشُ: كَانَ أَبِي حَمِيلاً فَوَرَّثَهُ مَسْرُوقٌ. اگر مسروق نے گواہوں کے ثبوت کے بعد مہران کو وراثت دی تو ٹھیک ہے ورنہ مسروق کا ہے مہران کو مال دینا ٹھیک نہیں، اگر گواہ نہیں ہے تو یہ مسروق کا اپنا مذہب ہو گا۔

بَابٌ فِي كَرَاهَةِ الاِسْتِنْجَاءِ بِالْيَمِينِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عُمَرَ الْمَكِّيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يَمَسَّ الرَّجُلُ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ.

استنجاء نجس سے مأخوذ ہے، نجس کا معنیٰ پاخانہ ہے پاخانہ پر ہاتھ لگانا قابل کے اعتبار سے ناجائز ہے، **یمین معزز** ہے، شریف ہے تو اس سے شریف کام کرو اور اسی طرح شریف آدمی کے ساتھ شرافت کا معاملہ کرنا چاہیے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کوئی معزز سائل آتا تو آرام سے بٹھا کر رخصت کرتیں، کھانا کھلاتیں اور کوئی معزز نہ ہو تو کچھ دیکر فوراً رخصت کرتیں، منازل کا سمجھنا ضروری ہے۔ اس حدیث سے عام حکم تھا کہ مس ذکر نہ ہو مگر امام ترمذی نے مقید کر دیا کہ استنجاء کے وقت مس ذکر نہ ہونا چاہیے۔

بُاب الاِسْتِنْجَاءِ بِالْحِجَارَةِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ، قَالَ: قِيلَ لِسَلْمَانَ: قَدْ عَلَّمَكُمْ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلَّ شَيْءٍ، حَتَّى الْخِرَاءَةَ، فَقَالَ سَلْمَانُ: أَجَلْ نَهَانَا أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ أَوْ ببَوْلٍ، أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِالْيَمِينِ، أَوِ أَنْ يَسْتَنْجِيَ أَحَدُنَا بِأَقَلَّ مِنْ ثَلاَثَةِ أَحْجَارٍ، أَوْ أنْ نَسْتَنْجِيَ بِرَجِيعٍ أَوْ بِعَظْمٍ.

کسی حمار نے اعتراض کیا ہے کہ تمہارا نبی بے جا تعلیم دیتا ہے، یہ تو بدیہی مسئلہ ہے کہ آدمی پیشاب کیسے کرے!

(سلمان فارسی عجمی ہیں) جواب دیا کہ ان باتوں کی قدر ہمیں ہے تم کو طہارت کی قدر نہیں تم سراپا نجس ہو تم کو نجاست کا احساس نہیں ہے (بات کی بات، لات کی لات)

تمہارے اعتقادات بھی نجس ہیں لہٰذا ظاہری نجاست کا بھی تم کو علم نہیں ہوتا۔ **استنجاءمن حيث هى هى** فرض نہیں۔

باب في الاستنجاءبالحجرين

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، وَقُتَيْبَةُ، قَالاَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحَاجَتِهِ، فَقَالَ: الْتَمِسْ لِي ثَلاَثَةَ أَحْجَارٍ، قَالَ: فَأَتَيْتُهُ بِحَجَرَيْنِ وَرَوْثَةٍ، فَأَخَذَ الْحَجَرَيْنِ، وَأَلْقَى الرَّوْثَةَ، وَقَالَ: إِنَّهَا رِكْسٌ.

وَهَكَذَا رَوَى قَيْسُ بْنُ الرَّبِيعِ هَذَا الْحَدِيثَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ نَحْوَ حَدِيثِ إِسْرَائِيلَ. وَرَوَى مَعْمَرٌ، وَعَمَّارُ بْنُ رُزَيْقٍ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ. وَرَوَى زُهَيْرٌ، عَنْ

أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الأَسْوَدِ، عَنْ أَبِيهِ الأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ. وَرَوَى زَكَرِيَّا بْنُ أَبِي زَائِدَةَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ، عَنِ الأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ. وَهَذَا حَدِيثٌ فِيهِ اضْطِرَابٌ.

امام صاحب فرماتے ہیں کہ مقصود پاکی ہے اگر چہ ایک سے کیوں نہ ہو مگر امام شافعیؒ وغیرہ تین کے وجوب کے قائل ہیں، تین احجار والی حدیث فصح لدخول الفاء ہے لولاہ لامتنع نہیں ہے۔

جنس علت علت ہے یعنی تنقیہ علت ہے، استنجاء بالحجرین امام صاحب کی دلیل ہے۔

ترمذی اس حدیث میں اضطراب ثابت کرینگے اسرائیل اور قیس بن ربیع؛ ابی اسحاق کے شاگرد ہیں اور یہ دونوں متفق ہیں کہ ابی اسحاق کے استاد ابی عبیدہ ہیں اور ابی اسحاق کے دو شاگرد اور ہیں؛ معمر اور عمار، یہ دونوں ابی اسحاق کے استاد اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے درمیان واسطہ علقمہ بتلاتے ہیں۔ اور دو شاگرد ہیں زھیر اور زکریا، آخری دو آپس میں مختلف ہیں اور پہلے کے بھی مخالف ہیں، پہلے دو اور دوسرے دو آپس میں بھی متفق ہیں پہلے دو کے خلاف ہیں۔

اسرائیل عن ابی اسحاق والی حدیث ترمذی کے نزدیک صحیح ہے بخلاف بخاری کے کہ ان کے نزدیک زھیر کی روایت صحیح ہے۔

امام ترمذی کی ترجیح پر اعتراض ہوتا ہے کہ اسرائیل کی روایت میں عبیدہ راوی ہیں جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے لڑکے ہیں اور ابو عبیدہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے والد سے کچھ سنا ہے مگر کچھ نہیں سنا ہے لہٰذا اسرائیل کی روایت منقطع ہوگئی لیکن حسامی وغیرہ میں لکھا ہے کہ راوی کا استاد عادل وضابط ہو اور شاگرد کو یقین ہو اپنے استاد پر تو نام نہیں لیتا لہٰذا حسامی نے فرمایا کہ منقطع کی دو قسمیں ہیں اور ایک قسم منقطع متصل سے بھی قوی ہوتی ہے وجہ یہ ہے کہ شاگرد کو استاد پر اعتماد نہیں ہے تو کہنا ہے استاد نے کہا ہے اس سے پوچھو۔

بَابُ كَرَاهِيَةِ مَا يُسْتَنْجَى بِهِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ أَبِي هِنْدٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لاَ تَسْتَنْجُوا بِالرَّوْثِ، وَلاَ بِالْعِظَامِ، فَإِنَّهُ زَادُ إِخْوَانِكُمْ مِنَ الْجِنِّ.

وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَسَلْمَانَ، وَجَابِرٍ، وَابْنِ عُمَرَ. وَقَدْ رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَغَيْرُهُ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ أَبِي هِنْدٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، أَنَّهُ كَانَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْجِنِّ، الْحَدِيثَ بِطُولِهِ، فَقَالَ الشَّعْبِيُّ: إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لاَ تَسْتَنْجُوا

بِالرَّوْثِ، وَلاَ بِالْعِظَامِ، فَإِنَّهُ زَادُ إِخْوَانِكُمْ مِنَ الْجِنِّ. وَكَأَنَّ رِوَايَةَ إِسْـمَاعِيلَ أَصَـحُّ مِنْ رِوَايَةِ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ. وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ.

فانه زاد اخوانكم من الجن:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم ہڈی کو کونے میں رکھ دیتے ہیں مگر جن نہیں کھاتے اور بعض لوگ جن کے بھی قائل نہیں جیسے انگریز کہتے ہیں کہ ہم دوربینوں سے دیکھتے ہیں مگر نظر کوئی چیز نہیں آتی۔

جواب نمبر ا:

بالفعل زاد ہے یا بالقوۃ کونے والی ہڈی میں شمار ہے بالقوۃ پھینکتے ہی کھانا ضروری نہیں کیونکہ غلہ سالوں سال رہ جاتا ہے مگر زاد ہونے سے نہیں نکلتا۔

جواب نمبر ۲:

بعض چیزیں کھانے سے قوت آتی ہے اور بعض سونگھنے سے فائدہ پہنچتا ہے آپ کا زاد سے مراد جنوں کے نفع کے لیے ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ ہڈیوں پر گوشت پیدا ہوتا ہے وہ مراد ہے اور بعض چیزوں کے دیکھنے سے طاقت پیدا ہوتی ہے۔

كراهية ما يستنجى به میں بعض مکروہ ہیں اور بعض چیزیں مستحب ہیں کہ ان سے استنجاء کیا جائے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ گھر میں نہیں تھے اور مکہ معظمہ میں بھی نہیں تھے تو صحابہ بڑے پریشان ہوئے اور جب صبح ہوتی تو آپ غار حرا کی طرف سے آرہے تھے پوچھا تو فرمایا کہ میرے پاس کسی جزیرے کے جن آئے تھے ان کو تبلیغ کرنے گیا تھا اب فارغ ہو کر آرہا ہوں اور عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں ساتھ لے گئے اور نشانات بتلا دیے اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ جنوں نے ہدیہ طلب کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہڈیوں پر گوشت ہو گا ان کو کھاؤ، ترمذی کی کتاب التفسیر میں یہ لمبی حدیث آئے گی۔

باقی حفص بن غیاث نے اس حدیث کو متصل بیان کیا ہے یہ ٹھیک نہیں ہے، شعبی عن علقمه عن عبدالله کہنا درست نہیں ہے، مگر اسماعیل سے جو روایت ہے یہ ٹھیک ہے کیونکہ یہ حدیث شعبی پر موقوف ہے لمبی حدیث میں علقمه عن عبدالله ہے مگر لا تستنجوا شعبی کا جملہ ہے صرف شعبی ناقل ہے اس جملہ کو متصل بیان کرنا حفص بن غیاث کی غلطی ہے۔

بَابُ الاِسْتِنْجَاءِ بِالْمَاءِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي الشَّوَارِبِ، قَالاَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ مُعَاذَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مُرْنَ أَزْوَاجَكُنَّ أَنْ يَسْتَطِيبُوا بِالْمَاءِ، فَإِنِّي أَسْتَحْيِيهِمْ، فَإِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفْعَلُهُ۔

بعض صورتوں میں استنجاء ضروری نہیں ہے اور بعض میں استنجاء بالماء فرض ہے۔

مخرج پر نجاست ہو درہم کے برابر ہو یا درہم سے کم ہو تو استنجاء ضروری نہیں اور اگر فرج پر ہو اور قدر درہم سے زیادہ ہو تو استنجاء بالاحجار کافی ہے بالماء ضروری نہیں۔

اگر نجاست مخرج پر پھیلی ہے اب دیکھو قدر درہم یا درہم سے کم یا درہم سے زیادہ ہے، اگر درہم سے زیادہ ہے مخرج سے متجاوز ہے تو استنجاء بالاحجار بالکل کافی نہیں اب استنجاء بالماء ضروری فرض ہے ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے۔

اور اگر قدر درہم سے کم ہو تو امام صاحب کے نزدیک استنجاء ضروری نہیں مگر امام محمدؒ فرضیت کے قائل ہیں کہتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ استنجاء بالاحجار و الماء کرے۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ صحابہ کرام کے زمانے کا حکم ہے وہ جنگلوں میں پتے کھاتے تھے پاخانے کے وقت بعرۃ کرتے تھے مگر آج کل کا حکم اور ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا أَرَادَ الْحَاجَةَ أَبْعَدَ فِي الْمَذْهَبِ

ادب بتلاتے ہیں:۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْبَوْلِ فِي الْمُغْتَسَلِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، وَأَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مُوسَى مَرْدَوَيْهِ، قَالاَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ أَشْعَثَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يَبُولَ الرَّجُلُ فِي مُسْتَحَمِّهِ، وَقَالَ: إِنَّ عَامَّةَ الوَسْوَاسِ مِنْهُ. وَفِي الْبَابِ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، لاَ نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا إِلاَّ مِنْ حَدِيثِ أَشْعَثَ بْنِ عَبْدِ اللهِ، وَيُقَالُ لَهُ أَشْعَثُ الأَعْمَى.

وَقَدْ كَرِهَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ الْبَوْلَ فِي الْمُغْتَسَلِ، وَقَالُوا: عَامَّةُ الْوَسْوَاسِ مِنْهُ، وَرَخَّصَ فِيهِ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْهُمْ ابْنُ سِيرِينَ، وَقِيلَ لَهُ: إِنَّهُ يُقَالُ: إِنَّ عَامَّةَ الْوَسْوَاسِ مِنْهُ، فَقَالَ: رَبُّنَا اللَّهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ.

وقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ: قَدْ وُسِّعَ فِي الْبَوْلِ فِي الْمُغْتَسَلِ إِذَا جَرَى فِيهِ الْمَاءُ. حَدَّثَنَا بِذَلِكَ أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الآمُلِيُّ، عَنْ حِبَّانَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُبَارَكِ.

ابن سیرین کا قول ربنااللہ لاشریك لہ. کا مطلب معلوم نہیں بعض کہتے ہیں کہ تاثیرات اشیاء میں لازمی ہے۔ سلب نہیں ہو سکتا، جیسے نار ہے یہ ضرور جلائے دے گی۔

معتزلہ فلاسفہ اور سرسید کا یہی مسلک ہے کہ لوازمات ماہیت کا تخلف نہیں ہو سکتا۔

یانار کونی بردا الخ میں تاویل کرتے ہیں اور واضرب بعصاک میں بھی تاویل کرتے ہیں اور اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ حقیقی اثر اللہ کی مشیت سے ہے اسباب مؤثر نہیں ہیں۔ اس سے معجزات کا انکار بھی لازم نہیں آئے گا، حمد اللہ اور سلم کے آخر میں ہے کہ دلیل سے نتیجے کا ذہن میں آنا ضروری ہے یہ فلاسفہ کہتے ہیں اور متکلمین کہتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں کہ دلیل ذہن میں آئے تو نتیجہ بھی ساتھ آئے، دلیل ذہن میں آئے اور نتیجہ ذہن میں نہ آیا تو یہ کوئی بعید بات نہیں ہے، اہل سنت فرماتے ہیں کہ عادت اللہ یہ ہے کہ آگ جلادے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السِّوَاكِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْلاَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلاَةٍ.

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: لَوْلاَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلاَةٍ، وَلأَخَّرْتُ صَلاَةَ الْعِشَاءِ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ قَالَ: فَكَانَ زَيْدُ بْنُ خَالِدٍ يَشْهَدُ الصَّلَوَاتِ فِي الْمَسْجِدِ وَسِوَاكُهُ عَلَى أُذُنِهِ مَوْضِعَ الْقَلَمِ مِنْ أُذُنِ الْكَاتِبِ لاَ يَقُومُ إِلَى الصَّلاَةِ إِلاَّ اسْتَنَّ ثُمَّ رَدَّهُ إِلَى مَوْضِعِهِ.

سواک ہمارے ہاں مستحب ہے اور وضو کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، حدیثوں میں تعارض ہے بعض حدیثوں میں عند کل صلوٰۃ اور بعض میں عند وضوء کل صلوٰۃ ہے، امام ترمذی ترجیح دینگے عند کل صلوٰۃ کو، ایک صحابی کا قول تائید میں پیش کرینگے، ایک صحابی عمل اور روایت دونوں سے حدیث بیان کرے تو وہ قوی ہوتی ہے۔

اب یہ ہے کہ ان حدیثوں میں تطبیق ہو یا نسخ ہو یا ترجیح ہے۔

تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ تطبیق نہیں یہ سواک سنن وضو سے ہے نہ کہ سنن صلوٰۃ سے ہے۔

عند کل صلوٰۃ کی یا تاویل کریں گے یا متروک ہے کیونکہ امام صاحب کے نزدیک خروج دم سے وضو ٹوٹتا ہے لہٰذا عند کل صلوٰۃ ٹھیک نہیں۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ خارج معتاد یعنی سبیلین سے کوئی چیز خارج ہو تو وضو ضروری ہے مستدل {أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ} [1] ہے۔

امام شافعیؒ کا مذہب بھی اسی کے قریب ہے، مستحاضہ کا وضو شوافع کے ہاں ٹوٹتا ہے اور ہمارے ہاں بھی ٹوٹتا ہے اور امام مالک کے ہاں نہیں ٹوٹتا، مستحاضہ کے بارے میں امام شافعیؒ ہمارے ساتھ ہیں اور عام خون سے ان کے ہاں بھی وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔

امام صاحبؒ کے نزدیک حدث کی علت مخرج معتاد نہیں یہ علت فصح لدخول الفاء ہے آپ کے ہاں علت خروج نجاست من بدن المصلی ہے مخرج معتاد کی تخصیص نہیں اوروں کے ہاں تخصیص ہے۔

شوافع کے نزدیک نص میں جو علت موجود ہے وہی علت ہے امام صاحب فرماتے ہیں کہ دوسری حدیث میں تخصیص کی علت ہو تو پھر تخصیص صحیح ہے ورنہ تخصیص صحیح نہیں ہے اور احادیث آئی ہیں کہ خون سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے نص میں جو علت ہے یہ مظہر علت ہے جو امر کلی ہے یہ اس کا جزء ہے اب عند کل صلوة کی تاویل ضروری ہے احتیاط امام صاحب کے مذہب میں ہے اس لیے امام صاحبؒ کے مذہب کو ترجیح حاصل ہے۔

دوسری (حدیث) میں آیا ہے کہ مسواک مرضاة للرب ہے اور مطہر للفم [2] ہے تو یہ طہارت وضو میں حاصل ہو سکتی ہے اور عند الصلوۃ یا تو منسوخ مانو اور اس پر قرینہ ہے وہ یہ کہ اذاقمتم الی الصلوة جب وضو کرو، جب بھی نماز کے لیے کھڑے ہو گئے تو وضو ضروری تھا تو اس کے بعد اس کو منسوخ کر کے مسواک کو بھی ساتھ ساتھ منسوخ کر دیا اور سوال کی ایک صورت یہ ہے کہ مجاز بالحذف ہے أی عند وضوء کل صلوة جیسے {وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ} [3] أی واسئل أهل القرية۔ اور دوسری تاویل یہ ہے کہ صلوٰۃ کا معنیٰ وضو ہے جیسے ان لكل صلوة اولا وآخرا [4] أی لکل صلوة وقت اولا وآخرا۔

---

١ – [المائدة: ٦]

٢ –«السِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ»[صحيح البخاري،بَابُ سِوَاكِ الرَّطْبِ وَاليَابِسِ لِلصَّائِمِ (٣/ ٣١)]

٣ –[يوسف: ٨٢]

٤ - ما حدثنا ربيع المؤذن قال: ثنا , أسد قال: ثنا محمد بن الفضيل عن الأعمش , عن أبي صالح , عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم «إن للصلاة أولا وآخرا , وإن أول وقت العصر , حين يدخل وقتها , وإن آخر وقتها حين تصفر الشمس»[شرح معاني الآثار،باب مواقيت الصلاة (١/ ١٥٠) الناشر:دار طوق النجاة،١٤٢٢هـ]

اسی طرح یہاں بھی ہے، {أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ }[1] أی وقت دلوک الشمس اور اس وقت مجاز فی اللفظ ہے۔ یاسواک عند کل وضو کو ترجیح دیں گے لولا أشق سے تائید ہے۔[2]

امام صاحب فرماتے ہیں کہ صحابی کا عمل قواعد کلیہ کے خلاف ہو تو اس پر عمل کرنا ضروری نہیں کیونکہ مسجد میں سواک کیا تو تھوک کے واسطے باہر جانا پڑے گا اور مسجد میں تھوکنا جائز نہیں عسر (تنگی) لازم آئیگا۔

لولاامتناع شیئ موجود بوجو د غیر۔ اس حدیث میں محمد بن اسحاق ہے جو ضعیف ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ مَنَامِهِ، فَلاَ يَغْمِسْ يَدَهُ فِي الإِنَاءِ حَتَّى يَغْسِلَهَا

حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ أَحْمَدُ بْنُ بَكَّارٍ الدِّمَشْقِيُّ مِنْ وَلَدِ بُسْرِ بْنِ أَرْطَاةَ صَاحِبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنِ الأَوْزَاعِيِّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، وَأَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ فَلاَ يُدْخِلْ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتَّى يُفْرِغَ عَلَيْهَا مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلاَثًا، فَإِنَّهُ لاَ يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ. وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، وَجَابِرٍ، وَعَائِشَةَ.

حدیث میں اللیل کا لفظ ہے اور عنوان میں من منامہ رکھا من اللیل سے علت نوم ہے لہٰذا منام کو رکھ دیا، اس کو تنقیح مناط کہتے ہیں۔

امام صاحب مناط نکالتا ہے تو محدثین چلاتے ہیں مگر ترمذی نے خود مناط نوم نکالا ہے، نوم پر مدار رکھا ہے نہ کہ لیل پر یہ شوافع کے نزدیک ہے۔

اور امام صاحب فرماتے ہیں کہ علت لا یدری ہے اور اس کے تحت بہت سے افراد آتے ہیں، مجنون، سُکر سب آگئے فرماتے ہیں کہ جنس علت علت ہے یعنی جن جن چیزوں میں عدم علم ہو گا وہ یہاں داخل ہونگے۔

حدثنا هناد، قال: حدثنا محمد بن فضيل، عن الأعمش، عن أبي صالح، عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن للصلاة أولا وآخرا، وإن أول وقت صلاة الظهر حين تزول الشمس، وآخر وقتها حين يدخل وقت العصر۔[سنن الترمذي،باب ما جاء في مواقيت الصلاة عن النبي صلى الله عليه وسلم،باب منه(١/ ٢٢٠)]

[سنن الدارقطني ،بَابُ إِمَامَةِ جَبْرَائِيلَ،رقم الحديث: ١٠٣٠، (١/ ٤٩٢) الناشر: دار طوق النجاة، ١٤٢٢هـ]

١ –[الإسراء: ٧٨]

٢ –«لَوْلاَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي أَوْ عَلَى النَّاسِ لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ صَلاَةٍ»[صحيح البخاري، بَابُ السِّوَاكِ يَوْمَ الجُمُعَةِ (٢/ ٤)]

مفہوم مخالف کی چار قسمیں ہیں، ایک حکم منطوق ہے اور ایک مفہوم، مفہوم منطوق سے اولی بالحکم ہے جیسا کہ{فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ}[1] (یہاں مفہوم منطوق سے اولیٰ بالحکم ہے)اس کو دلالت النص کہتے ہیں۔

اور ایک ہے کہ منطوق کے مساوی حکم نکالا جائے یامنطوق سے زیادہ ہے یامنطوق سے کم ہے، کفن چور اس میں سرقہ سے کم معنیٰ پایاجاتاہے اور ایک اختلاس ہے اس میں سرقہ سے زیادہ معنیٰ پایاجاتاہے۔

اب کسی نے ہاتھ پانی میں ڈالا تو کیا حکم ہے اس کو تو مفہوم مخالف کہتے ہیں اس میں اختلاف ہے بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ یہ نہی تنزیہ ہے۔

شوافع فرماتے ہیں کہ پانی پاک ہے۔ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ پانی ناپاک ہے نہی تحریمی ہے۔

إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ مقدم ہے مشروط عامہ فی زمان الوصف ہے اور ایک بشرط الوصف ہے۔

فی زمان الوصف میں زمانہ کو دخل ہے، کل کاتب انسان میں کتابت علت نہیں ہے۔ بعض ائمہ نے نوم لیل علت بنائی ہے ان کے نزدیک قیلولہ سے وضوء نہیں ٹوٹے گا۔ امام شافعیؒ نے مطلق نوم کو علت بنایاان کے نزدیک قیلولہ سے وضو ٹوٹے گا۔ امام صاحبؒ نے نوم سے بھی عام کر دیا حقیقتاًلا یدری علت ہے اب جنون، سُکر وغیرہ کو بھی شامل ہو گا۔

علت کی طرف ذہن کا جانا بڑی نعمت ہے بسااوقات چیز آنکھوں کے سامنے ہوتی ہے مگر توجہ نہیں ہوتی، توجہ کبھی قابل کی وجہ سے ہوتی ہے اور کبھی فاعل کی وجہ سے ہوتی ہے قابل کی مثال یوسف علیہ السلام کا قصہ ہے کہ تمام عورتیں آپ کو دیکھ کر ہاتھ کاٹنے لگیں۔

اب اگر ہاتھ کسی جاہل نے داخل کر دیا توامام احمد فرماتے ہیں کہ پانی نجس ہو گیا۔

امام شافعیؒ اور امام صاحبؒ نجاست (نجاست متوہمہ) کے قائل ہیں، نجاست متوہمہ ہے اور ہاتھ پانی پہلے سے یقیناً پاک ہیں اب ناپاک کر دیا جائے تو شک سے یقین کا زائل کرنا ہو گا اور یہ ٹھیک نہیں ہے۔[2]

اور امام اسحاق فرماتے ہیں کہ عمداًڈال دیا تو پانی ناپاک ہو گا اور اگر نسیاناً یا تاویلاً ڈالا تو پاک ہے۔

---

۱ – [الإسراء: ۲۳]

۲ -الْقَاعِدَةُ الثَّالِثَةُ: الْيَقِينُ لَا يَزُولُ بِالشَّكِّ۔[الأشباه والنظائر لابن نجيم (ص: ٤٧) الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت – لبنان،١٤١٩ هـ - ١٩٩٩ م]

باب في التسمية عند الوضوء

حَدَّثَنَا نَصْـرُ بْنُ عَلِيٍّ، وَبِشْـرُ بْنُ مُعَاذٍ الْعَقَدِيُّ، قَالاَ: حَدَّثَنَا بِشْـرُ بْنُ الْمُفَضَّـلِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حَرْمَلَةَ، عَنْ أَبِي ثِفَالٍ الْمُرِّيِّ، عَنْ رَبَاحِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي سُـفْيَانَ بْنِ حُوَيْطِبٍ، عَنْ جَدَّتِهِ، عَنْ أَبِيهَا، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: لاَ وُضُوءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرْ اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ.

لا وضو میں لا نفی جنس کے لیے مانتے ہیں لا نفی جنس نفس ماہیت کی نفی کرتا ہے۔

بعض ائمہ کے نزدیک تسمیہ فرض ہے امام صاحب اور بعض کہتے ہیں کہ فرض نہیں ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ حدیث خبر واحد ہے قطعی الدلالۃ تو ہے مگر قطعی الثبوت نہیں لہٰذا فرضیت کا ثبوت نہیں۔ دوسری وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ قرآن پر زیادتی لازم آتی ہے{يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ} [1] الخ میں تسمیہ کا کوئی ذکر نہیں ہے، سنیت اور مستحب تو ہو گی۔

تیسرا جواب یہ دیتے ہیں کہ{وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا } [2] طہوراً دوسرے کو پاک کرنے والا ہو اور خود پاک ہو لہٰذا پانی طہوریت کو ملزوم ہے اور طاہر لغیرہ اس کا لازم ہے اب تسمیہ سے طہوریت کریں تو مجعولیت ذاتی لازم آئے گی جو کہ ناجائز ہے باطل ہے، حمل اولی بدھیات میں سے ہے اس کے ثبوت کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ پانی میں طہوریت تسمیہ سے آئی ہے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک صحابی نے سلام کیا نبی کریم ﷺ کو آپ ﷺ نے وضو کے بعد جواب دیا، سلام بھی تسمیہ سے ہے اسمیں بغیر وضو سے تکلم نہیں کیا تو تسمیہ پر بھی وضو کے بغیر تکلم کب کر سکتا ہے۔

ایک جواب یہ ہے کہ وضو امر آخر ہے اور طہارت امر آخر ہے وضو نورانیت کو کہتے ہیں اور طہارت بغیر تسمیہ سے بھی آئے گی مگر وضوء یعنی نورانیت تسمیہ سے آئے گی اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ وضوء میں بغیر تسمیہ سے اعضاء پاک ہونگے اور تسمیہ سے تمام بدن پاک ہو گا۔ [3] اور سوال یہ ہے کہ حدث میں تجزئی نہیں ہے اور حدیث میں تجزئی آگئی۔ جواب: یہاں پاکی سے مراد پاکی عن الذنوب ہے اور اس میں تجزئی ہو سکتی ہے۔

---

١ -[المائدة: ٦]

٢ -[الفرقان: ٤٨]

٣- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ , قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ تَوَضَّأَ وَذَكَرَ اسْمَ اللَّهِ تَطَهَّرَ جَسَدُهُ كُلُّهُ , وَمَنْ تَوَضَّأَ وَلَمْ يَذْكُرِ اسْـمَ اللَّهِ لَمْ يَتَطَهَّرْ إِلَّا مَوْضِـعُ الْوُضُـوءِ»وعَنِ ابْنِ عُمَرَ , قَالَ: قَالَ رَسُـولُ اللَّهِ صَـلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَـلَّمَ: «مَنْ

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَضْمَضَةِ وَالِاسْتِنْشَاقِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، وَجَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ قَيْسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا تَوَضَّأْتَ فَانْتَثِرْ، وَإِذَا اسْتَجْمَرْتَ فَأَوْتِرْ»

اس میں اختلاف ہے بعض علماء باعتبار وضوء میں فرق کرتے ہیں اور بعض باعتبار جنابت فرق کرتے ہیں اور مضمضہ اور استنشاق میں فرق کرتے ہیں۔ایک مذہب ہے دونوں مسنون ہیں اور ایک مذہب یہ ہے کہ دونوں میں وجوب ہے، استنشاق اور استنثار میں تلازم ہے استنثار کا معنیٰ ہے ناک سے پانی نکالنا، امام صاحب کے نزدیک فرض ووجوب میں فرق ہے، شوافع کے نزدیک فرق نہیں ہے۔امام صاحب فرماتے ہیں فم من وجہ داخل ہے وجہ یہ ہے کہ تھوک رمضان میں نگلنے سے صوم باقی رہتا ہے شارع نے فم کو داخل لحاظ کیا ہے اور من وجہ وجہ میں داخل ہے اور وجہ (کا اطلاق) ظاہر پر ہوتا ہے، اس لحاظ سے ظاہر بدن ہے اور اسی طرح ناک بھی ہے اس لیے فرض قرار نہیں دیتے کیونکہ فاغسلو وجوھکم الخ آیا ہے اور کتاب اللہ پر زیادتی لازم آئے گی خبر واحد سے لیکن جنبی پر فرض ہے۔

اب اشکال ہوا کہ زیادتی علی الکتاب لازم آئے گی، امام صاحب جواب دیتے ہیں کہ ہم نے فرض خبر واحد کی وجہ سے نہیں کیا بلکہ اور دلائل سے ثابت کرتے ہیں، قرآن میں آتا ہے:

{وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا۔۔الخ }[1]

فَاطَّهَّرُوا مبالغہ کا صیغہ ہے، مبالغہ فی الکم نہیں کہہ سکتے، کیونکہ چھ سات بار کرے یہ نہیں ہو سکتا اور مبالغہ کیفی بھی نہیں ہو سکتا لہٰذا خارج من وجہ کے لحاظ سے جنابت میں تین دفعہ دھونے کا حکم دیا اور وضوء میں بطن کا لحاظ رکھا ہے۔

دوسرے باب میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مضمضہ اور استنشاق کف واحد سے کیا ہے۔

بَابُ الْمَضْمَضَةِ وَالِاسْتِنْشَاقِ مِنْ كَفٍّ وَاحِدٍ

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ، قَالَ: «رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفٍّ وَاحِدٍ، فَعَلَ ذَلِكَ ثَلَاثًا»

تَوَضَّأَ فَذَكَرَ اسْمَ اللَّهِ عَلَى وُضُوئِهِ كَانَ طَهُورًا لِجَسَدِهِ» , قَالَ: «وَمَنْ تَوَضَّأَ وَلَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللَّهِ عَلَى وُضُوئِهِ كَانَ طَهُورًا لِأَعْضَائِهِ»[سنن الدارقطني، بَابُ التَّسْمِيَةِ عَلَى الْوُضُوءِ (١/ ١٢٥) الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت – لبنان، الطبعة: الأولى، ١٤٢٤ هـ - ٢٠٠٤ م]

[1] -[المائدة: ٦]

مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفٍّ وَاحِدٍ:

آپ ﷺ نے مضمضہ اور استنشاق کف واحد سے کیا ہے اس میں روایتیں مختلف ہیں:

ایک میں ست غرفات چھ چلو لینا ضروری ہے۔

من کف واحد کی ایک صورت یہ ہے، تین چلو لو اور ہر ایک سے دونوں دھو لو۔ چلو ایک ہی ہے آدھے سے تین مضمضے کرو اور آدھے سے تین استنشاق کرو۔ غرفتین لو اور ایک سے ناک تین بار صاف کرو اور ایک سے منہ تین دفع دھولے۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ من کف واحد سے من ماء کف واحد مجاز بالحذف ہے یہ کیوں لیتے ہو؟

مراد یہ ہے کہ کف واحد سے مضمضہ اور استنشاق کرو، دوسرے ہاتھ کا دخل نہ رہے، استجمار کے تین معنیٰ ہیں ،انگارہ، کنکر اور دھونی کو بھی استجمار کہتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَخْلِيلِ اللِّحْيَةِ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ بْنِ أَبِي الْمُخَارِقِ أَبِي أُمَيَّةَ، عَنْ حَسَّانَ بْنِ بِلَالٍ، قَالَ: رَأَيْتُ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ تَوَضَّأَ فَخَلَّلَ لِحْيَتَهُ، فَقِيلَ لَهُ: - أَوْ قَالَ: فَقُلْتُ لَهُ: - أَتُخَلِّلُ لِحْيَتَكَ؟، قَالَ: «وَمَا يَمْنَعُنِي؟ وَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخَلِّلُ لِحْيَتَهُ»

بعض غسل لحیہ کے قائل ہیں اور بعض مسح لحیہ کے قائل ہیں، اور بعض فرماتے ہیں کہ ربع لحیہ پر مسح کافی ہے۔ غسل وجہ سے مراد مواجہت ہے اور جس کے منہ پر ڈاڑھی ہے تو لحیہ سمیت وجہ ہے تو ڈاڑھی کا دھونا ضروری قرار دیتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَسْحِ الرَّأْسِ أَنَّهُ يَبْدَأُ بِمُقَدَّمِ الرَّأْسِ إِلَى مُؤَخَّرِهِ

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْنُ بْنُ عِيسَى الْقَزَّازُ قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ، «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ رَأْسَهُ بِيَدَيْهِ فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ، بَدَأَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهِ، ثُمَّ ذَهَبَ بِهِمَا إِلَى قَفَاهُ، ثُمَّ رَدَّهُمَا حَتَّى رَجَعَ إِلَى المَكَانِ الَّذِي بَدَأَ مِنْهُ، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ».

اس میں دو اختلاف ہیں سنیت و فرضیت اور تیسرا اختلاف یہ ہے کہ آیا مسح راٴس کے لیے مستقل ماء جدید ضروری ہے یا جو ہاتھ پر پانی باقی ہے وہ کافی ہے۔

فرضیت میں اختلاف یہ ہے کہ کل راٴس کا مسح فرض ہے؟ یا بعض لا علی التعیین کا یا بعض معین ہے۔

اور سنیت میں اختلاف یہ ہے کہ تین دفعہ کافی ہے یا ایک دفعہ کافی ہے؟

اور ماء جدید ہونا چاہیے یا ایک ہی پانی کافی ہے اس کے بعد مسح الأذنین آتا ہے۔

أذنین میں اختلاف ہے کہ ان کا تعلق وجہ کے ساتھ ہے یا رأس کے ساتھ ہے؟

بعض کا خیال ہے کہ ان کا تعلق رأس کے ساتھ ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ وجہ کے ساتھ ہے وجہ کے ساتھ ہو تو غسل ہو گا اور رأس کے ساتھ ہے تو مسح اذنین ہو گا غسل نہیں ہو گا۔

اور اسی طرح مسح کے لیے جدید ہونا چاہیے یا پانی رأس والا کافی ہے؟

اور بعض فرماتے ہیں کہ أذنین من وجہ رأس کے ساتھ ہیں اور من وجہ وجہ کے ساتھ ہیں، ما أقبل وجہ کے ساتھ ہے اور ما أدبر رأس کے ساتھ ہے۔

من وجہ وجہ کے ساتھ ماننے والوں میں اختلاف ہے کہ آیا ما أقبل غسل ہے یا مسح ہے؟

فرضیت مسح میں تین مذاہب ہیں:

امام مالکؒ کے ہاں کل کا مسح فرض ہے۔ شوافع کے ہاں کل رأس کا مسح مسنون ہے اور تین دفع مسنون ہے۔

اور ہمارے ہاں کل رأس کا مسح مسنون ہے اور ایک بار مسح کافی ہے۔ شوافع کے نزدیک تین دفعہ ماءِ جدید ہو گا اور ہمارے ہاں ماءِ جدید کی ضرورت نہیں ہے۔ مسح رأس فرض ہے قرآن میں ہے {وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ} [1] امام مالکؒ کا مذہب ظاہر ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک جزء پر بھی مسح کرے تو کافی ہے۔

اور امام صاحب کے نزدیک چوتھائی حصہ فرض ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں {وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ} مطلق ہے اور مطلق کے جس فرد پر بھی عمل کرے تو فرض ادا ہو گا، مطلق کے دو فرد ہیں کلاً اور بعضاً، أی بعض کان۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ رأس کل کو کہتے ہیں اس لیے کل رأس فرض ہے، ان کا مذہب بدیہی ہے۔

امام صاحبؒ پر اشکال ہے ایک امام مالکؒ کی جانب سے اور ایک امام شافعیؒ کی جانب سے۔

آیت مطلق ہے تو شوافع کا مذہب صحیح ہے اور کل مراد ہے تو امام مالکؒ کا مذہب ٹھیک ہے، ربع رأس سے زیادتی علی النص لازم آتی ہے کیونکہ آیت سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی۔

---

[1] -[المائدة: ٦]

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کتبت بالقلم اور مسحت الحائط میں دیوار کے ایک جزء کو بھی ہاتھ لگایا تو مسح صادق ہے اور اسی طرح قلم کے کل سے بھی نہیں لکھا جاتا جزء سے لکھا جاتا ہے۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ آیت کل راٗس کے ساتھ بھی مقید نہیں ہے اور مطلق بھی نہیں ہے اس پر ایک حدیث بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ربع راٗس کا مسح کیا ہے۔

اشکال: قرآن میں تو نہیں ہے؟ اس کا جواب دیتے ہیں کہ خبر واحد سے مجمل کتاب اللہ کی تفسیر ہو سکتی ہے اور اس تفسیر کا حکم اور قرآن کا حکم برابر ہے۔ امام صاحبؒ اس آیت کو مجمل مانتے ہیں اور مجمل کا حکم یہ ہے کہ مجمل کی تفسیر خبر واحد سے ہو سکتی ہے اور یہ تفسیر قطعی ہے اور مجمل نہ ہو تو پھر زیادتی علی کتاب اللہ لازم آئیگی، خبر واحد سے مطلق میں قید آجائے یا مغیر بنے تو یہ جائز نہیں ہے۔ اگر شوافع کا مذہب ہوتا تو کم از کم ایک دفعہ ادنی راٗس پر عمل کرتے اور یہ ثابت نہیں ہے اور اسی طرح اگر مالک کی طرح کل راٗس فرض تھا تو آپ ﷺ نے ایک دفع ربع پر مسح کیوں کیا؟

تو معلوم ہوا کہ ربع فرض ہے اور کل مسح سنت تھا، لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ آیت مجمل ہے اور مجمل کی تفسیر خبر واحد سے جائز ہے مگر (آیت میں مسح) مطلق نہیں ہے ورنہ ایک بار بھی ادنی پر ثابت ہوتا اور کبھی بھی اکتفاء علی الناصیہ نہ کرتے۔ امام شافعیؒ ایک اور دلیل بیان فرماتے ہیں کہ کل متشابہ الاجزاء ہے جیسے حوض کا پانی کل کی بھی ایک حقیقت ہے اور بعض کی بھی حقیقت ایک ہے، ایک قطرہ پر بھی پانی کا اطلاق آتا ہے اور پورے حوض پر بھی ماء کا اطلاق آتا ہے، اور اسی طرح راٗس کرہ کی حیثیت رکھتا ہے اور کرہ کی تلاقی سطح کے ساتھ علی نقطۃ ہوتی ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ کرہ بھی نہیں اور سطح بھی نہیں اور امام مالکؒ کل حکمی اور کل حقیقی دونوں مراد لیتے ہیں، اکثر راٗس پر مسح ہو تو کل حکمی ادا ہو گا۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّهُ يَبْدَأُ بِمُؤَخَّرِ الرَّأْسِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ، عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ ابْنِ عَفْرَاءَ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ بِرَأْسِهِ مَرَّتَيْنِ، بَدَأَ بِمُؤَخَّرِ رَأْسِهِ، ثُمَّ بِمُقَدَّمِهِ، وَبِأُذُنَيْهِ كِلْتَيْهِمَا، ظُهُورِهِمَا وَبُطُونِهِمَا».

ایک حدیث میں أقبل ثم أدبر اور ایک حدیث میں أدبر ثم أقبل ہے تو تعارض آیا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہر رکن تین تین دفعہ دھونا فرض ہے تو ایسا ہی مسح راٗس بھی تین دفعہ ہونا چاہیے، سنن تکمیل فرائض ہیں اور سنت کی تکمیل استحباب سے آتی ہے۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ غسل وجہ کے لیے سارا وجہ محل غسل ہے پہلی دفعہ پوری وجہ کا غسل ہو گیا تو اب اکمال تین دفعہ سے آئے گا اور رأس کا مسح فرض صرف ربع ہے اور پہلی دفعہ ربع پر مسح کرنے سے فرض ادا ہو گا اور تکمیل اس کی استیعاب سے ہو گی غسل وجہ میں پہلے ہی ہے محل فرض کا استیعاب آتا ہے اور تکمیل دو تین بار دھونے سے آئے گی اور رأس میں پہلی دفعہ محل فرض کا استیعاب نہیں ہوتا، اب اکمال استیعاب سے آئے گا، رکنیت تکرار کو نہیں چاہتی، ایک رکوع سے رکوع ادا ہو گا، ایک آیت سے قرأت ادا ہو گی سر کا اکمال اور ہے اور باقی اعضاء کا اکمال اور (یعنی الگ) قسم کا ہے، دونوں کو مت ملاؤ۔

شوافع کے ہاں ماء جدید ضروری ہے اس کے متعلق حدیث آئی ہے بِمَاءٍ غَيْرِ فَضْلِ يَدَيْهِ.[1] یعنی جدید پانی لیا، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ماء جدید کی ضرورت ہے۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ماءِ جدید کی ضرورت نہیں اس لیے کہ ایک حدیث میں ہے بماء غبر[2] یعنی جو پانی باقی تھا ہاتھ میں اس سے مسح کیا۔

اور تطبیق ہو سکتی ہے کہ دونوں سے جائز ہے۔ اور ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عثمانؓ غنی اور حضرت علیؓ نے حضور اکرم ﷺ کا وضو نقل کیا (یعنی آپ ﷺ کا وضو کر کے دکھایا) اور تین دفعہ مسح کیا اور ایک روایت میں ایک دفعہ کا بھی ذکر ہے۔ جواب یہ ہے کہ مسح کرتے کرتے پانی خشک ہوا تو دوبارہ پانی لیا، اس سے تین بار کا ثبوت نہیں ہوتا، اور اذنان کے متعلق حدیثیں مختلف ہیں۔

الأذنان من الرأس: امام صاحب فرماتے ہیں کہ رأس سے جو تری ہے وہ کافی ہے۔ اور شوافع کہتے ہیں کہ اذن کے لیے ماءِ جدید چاہیے۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ الأذنان من الرأس۔

١-حدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، عَنْ حَبَّانَ بْنِ وَاسِعٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ، أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ، وَأَنَّهُ مَسَحَ رَأْسَهُ بِمَاءٍ غَيْرِ فَضْلِ يَدَيْهِ. [سنن الترمذي، بَابُ مَا جَاءَ أَنَّهُ يَأْخُذُ لِرَأْسِهِ مَاءً جَدِيدًا (١/ ٩٠) الناشر: دار الغرب الإسلامي – بيروت، سنة النشر: ١٩٩٨ م] أن حبان بن واسع، حدثه أن أباه حدثه، أنه سمع عبد الله بن زيد بن عاصم المازني، يذكر أنه رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر وضوءه، وقال: «ومسح رأسه بماء غير فضل يديه، وغسل رجليه حتى أنقاهما»[سنن أبي داود، باب صفة وضوء النبي صلى الله عليه وسلم (١/ ٣٠) الناشر: المكتبة العصرية، صيدا – بيروت]

٢-وَرَوَى ابْنُ لَهِيعَةَ هَذَا الْحَدِيثَ، عَنْ حَبَّانَ بْنِ وَاسِعٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ، وَأَنَّهُ مَسَحَ رَأْسَهُ بِمَاءٍ غُبْرٍ فَضْلِ يَدَيْهِ.[سنن الترمذي، بَابُ مَا جَاءَ أَنَّهُ يَأْخُذُ لِرَأْسِهِ مَاءً جَدِيدًا(١/ ٩٠)]

اور ایک حدیث میں آتا ہے سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ، وَصَوَّرَهُ، وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ الخ [1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وجہ میں داخل ہیں۔اس لیے بعض فرماتے ہیں کہ وجہ مغسول ہے اس لیے یہ (کان) بھی مغسول ہیں اور رأس والے کہتے ہیں کہ ممسوح ہونا چاہیے۔اور بعض کہتے ہیں کہ کل ممسوح بھی ہے اور مغسول بھی ہیں۔

اور بعض کہتے ہیں کہ ما اَقبل کا غسل ہے اور ما اَدبر کا مسح ہے(استطرادا)

مجمل میں فرد واحد مراد ہے اور اس کی تعیین نہیں ہے اور مطلق میں جس فرد پر عمل کرے تو فرض ادا ہو گا، مجمل شارع کا تابع ہے جب تک شارع بیان نہ کرے تو عمل موقوف رہے گا اور اگر بیان کا امکان نہ رہے تو متشابہ بن جاتا ہے جیسے الم ہے شارع نے ان کا مطلب بیان نہیں کیا۔

الرُّبَيِّعِ بِنْتِ: ربیع کے بعد بنت ہو تو مشدد ہے اور بغیر بنت کے ہو تو مشدد نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ مَسْحَ الرَّأْسِ مَرَّةً

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ مُضَـرَ، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ، عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ ابْنِ عَفْرَاءَ، أَنَّهَا رَأَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ، قَالَتْ: «مَسَحَ رَأْسَهُ، وَمَسَحَ مَا أَقْبَلَ مِنْهُ، وَمَا أَدْبَرَ، وَصُـدْغَيْهِ، وَأُذُنَيْهِ مَرَّةً وَاحِدَةً». وَفِي الْبَابِ، عَنْ عَلِيٍّ، وَجَدِّ طَلْحَةَ بْنِ مُصَـرِّفٍ. حَدِيثُ الرُّبَيِّعِ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ مَسَحَ بِرَأْسِهِ مَرَّةً.

اقبال وادبار سے شوافع کی تائید ہوتی ہے کیونکہ دو دفعہ مسح ہو جاتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ اقبال کے بعد ادبار تکمیل کے لیے ہے اس کو دو دفع شمار نہیں کیا جاتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّهُ يَأْخُذُ لِرَأْسِهِ مَاءً جَدِيدًا

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْـرَمٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، عَنْ حَبَّانَ بْنِ وَاسِعٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ،

«أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ، وَأَنَّهُ مَسَحَ رَأْسَهُ بِمَاءٍ غَيْرِ فَضْلِ يَدَيْهِ»، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَرَوَى ابْنُ لَهِيعَةَ هَذَا الْحَدِيثَ، عَنْ حَبَّانَ بْنِ وَاسِـعٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ، وَأَنَّهُ مَسَحَ رَأْسَهُ بِمَاءٍ غُبْرٍ فَضْلِ يَدَيْهِ ـ

---

١ -وَإِذَا سَجَدَ، قَالَ: «اللهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ، وَبِكَ آمَنْتُ، وَلَكَ أَسْلَمْتُ، سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ، وَصَوَّرَهُ، وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ، تَبَارَكَ اللهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ» [صحيح مسلم، بَابُ الدُّعَاءِ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ وَقِيَامِهِ (١/ ٥٣٥)] الناشر: دار إحياء التراث العربي – بيروت]

غیر فضل یدیه اور ایک روایت میں غبر آیا ہے اور یہ روایت امام صاحبؒ کی تائید میں ہے، فضل یدیہ کو بعض زائد مانتے ہیں اور ھو مبتدا محذوف مانتے ہیں اور بعض من محذوف مانتے ہیں۔

بَاب مَسْحِ الْأُذُنَيْنِ ظَاهِرِهِمَا وَبَاطِنِهِمَا-بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْأُذُنَيْنِ مِنَ الرَّأْسِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ سِنَانِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، قَالَ: تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا، وَيَدَيْهِ ثَلَاثًا، وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ، وَقَالَ: «الْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ»، قَالَ قُتَيْبَةُ: قَالَ حَمَّادٌ: لَا أَدْرِي هَذَا مِنْ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ مِنْ قَوْلِ أَبِي أُمَامَةَ؟«الْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ»

اعتراض یہ ہے کہ یہ قول صحابی ہے یا تکوینی حکم بیان کرتے ہیں؟

جواب؛ ابو امامہ شرعی حکم بیان کرتے ہیں اور صحابی اس قسم کا حکم بیان کرے تو وہ مرفوع[1] کے حکم میں ہے۔

بَابٌ فِي تَخْلِيلِ الأَصَابِعِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، وَهَنَّادٌ، قَالاَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي هَاشِمٍ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ لَقِيطِ بْنِ صَبِرَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا تَوَضَّأْتَ فَخَلِّلِ الأَصَابِعَ. وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَالْمُسْتَوْرِدِ وَهُوَ ابْنُ شَدَّادٍ الْفِهْرِيُّ، وَأَبِي أَيُّوبَ الأَنْصَارِيِّ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنَّهُ يُخَلِّلُ أَصَابِعَ رِجْلَيْهِ فِي الْوُضُوءِ، وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ. وَقَالَ إِسْحَاقُ: يُخَلِّلُ أَصَابِعَ يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ فِي الْوُضُوءِ. وَأَبُو هَاشِمٍ اسْمُهُ إِسْمَاعِيلُ بْنُ كَثِيرٍ.

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعِيدٍ الْجَوْهَرِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ جَعْفَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ صَالِحٍ مَوْلَى التَّوْأَمَةِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا تَوَضَّأْتَ فَخَلِّلْ بَيْنَ أَصَابِعِ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

مولى التوائم: مالک اپنے غلام کو آزاد کردے تو وہ مولیٰ بنتا ہے اور اس غلام کو مولیٰ اسفل کہتے ہیں اور آقا کو بھی مولیٰ کہتے ہیں مگر اس کو مولیٰ اعلی کہتے ہیں اور ایک کافر کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے تو اس کو بھی مولیٰ کہتے ہیں اور اسی طرح ایک مجہول النسب نے کسی سے معاہدہ کیا کہ میرے اوپر جو تاوان آئے تو تم ادا کرو اور میرے مرنے کے بعد میرے مال کے آپ مالک ہونگے۔ توئمۃ ایک عورت ہے اپنی بہن کے ساتھ بطن واحد سے ایک ساتھ پیدا ہوئی توئمۃ کا صالح مولیٰ اسفل تھا اور بعض مولیٰ اسلام کہتے ہیں۔

---

[1] ۔یعنی مرفوع حدیث کے حکم میں ہوتا ہے۔(م-ض)

ابو داؤد کی اصطلاح ہے کہ عرب والے عجمیوں کو مولیٰ کہتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ وَيْلٌ لِلأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: وَيْلٌ لِلأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ.

وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، وَعَائِشَةَ، وَجَابِرٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ، وَمُعَيْقِيبٍ، وَخَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ، وَشُرَحْبِيلَ ابْنِ حَسَنَةَ، وَعَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، وَيَزِيدَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ. حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: وَيْلٌ لِلأَعْقَابِ، وَبُطُونِ الأَقْدَامِ مِنَ النَّارِ. وَفِقْهُ هَذَا الْحَدِيثِ أَنَّهُ لاَ يَجُوزُ الْمَسْحُ عَلَى الْقَدَمَيْنِ إِذَا لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِمَا خُفَّانِ أَوْ جَوْرَبَانِ.

ویل : بعض کہتے ہیں کہ جہنم میں ایک جگہ ہے، ایک گڑھاہے اور افسوس کو بھی ویل کہتے ہیں۔

ایک مختلف فیہ مسئلہ کی طرف اشارہ ہے کہ غسل رجل ہے یا مسح رجل ہے؟ چونکہ قرآن میں قراءت مختلف ہے ،اس حدیث سے غسل ضروری معلوم ہوتا ہے، ناری عذاب ترک فرض پر ہوتا ہے یا نہیں؟

شیعہ دو طرح سے استدلال کرتے ہیں کہ قرآن میں أرجلكم بالکسرہ ہے اور ممسوحات کے تحت آیا ہے۔

احناف جواب دیتے ہیں کہ دو قراء تیں ہیں، اس صورت میں مثل دو آیتوں کے ہے، تعارض ہو تو تطبیق کی کوشش کرو۔

تضاد کی چار قسمیں ہیں:

بعض علماء نے تضاد مانا ہے اور بعض علماء عموم خصوص مطلق فی التحقق مانتے ہیں۔ اور ایک عموم خصوص فی الصدق ہے۔ فی التحقق میں عام کا خاص پر حمل نہیں ہو سکتا جیسے کہ ایک اور دو اس کا آپس میں حمل جائز نہیں مگر ایک کا تحقق دو میں ہے۔

بعض غسل متعین مانتے ہیں، اور بعض معین کرتے ہیں، اور بعض تخییر دیتے ہیں کہتے کہ دونوں قراءتیں متواتر ہیں اوقات مختلفہ میں دونوں پر عمل کرو، اور بعض کہتے ہیں اجتماع ممکن ہے مفہوم دونوں کا جدا ہے اور مصداق میں ایک ہو سکتے ہیں عموم خصوص فی التحقق پایا جاتا ہے کیونکہ غسل میں مسح آتا ہے۔

حنفی ایک جواب دیتے ہیں کہ جمع جائز ہے اور جو متضادین مانتے ہیں وہ تخییر کے قائل ہیں یہ امام صاحب کا مذہب نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ اکثر اوقات حدیثوں میں تعارض ہو تو تخییر کا قول کرتے ہیں اور حنفیہ فرماتے ہیں کہ جراً اور نصباً غسل ہے مگر جر، جرِّ جوار سے ہے۔

(جرّ جوار کی مثال) جُحرُ ضبٍ خربٍ

خربٍ اصل میں خبر ہے مرفوع ہے، ضب مضاف الیہ مجرور ہے، پڑوس ہے تو خرب (مجرور) پڑھنے لگے۔

ماء شنٍ باردٍ،[اس مثال میں بھی بارد اصل میں خبر ہے جو مرفوع ہونا چاہیے لیکن شن کے جوار میں ہونے کی وجہ سے بارد کو مجرور پڑھتے ہیں۔(ازم-ض)]

برؤسكم وأرجلكم الخ:

أرجلكم میں عطف جملہ علی الجملہ ہے اور منصوب ہونے کی صورت میں أيديكم پر عطف ہو گا۔

اور ایک صورت ترجیح کی نکالتے ہیں کہ نصب کی قراءت کو ترجیح دو، فرماتے ہیں کہ جر کی صورت میں احتمال ہے کہ جر جوار سے جر آیا ہو اور اصل میں نصب ہو اور نصب میں احتمالات نہیں ہیں، جر کی صورت ظنی ہو گئی اشتباہ آ گیا۔

اور ایک جواب یہ بھی دیتے ہیں اذا تعارضا تساقطا اور پھر حدیث کی طرف رجوع کیا گیا تو غسل متعین ہے۔

اور طحاوی جواب دیتا ہے باعتبار نسخ کے کہ پہلے مسح (جر) تھا بعد میں نصب متعین ہوا ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ علفتها ماء وتبنًا کے قبیل سے ہے۔ اس کو باب تغلیب کہتے ہیں۔

اور ایک اور جواب دیتے ہیں کہ اوقات مختلفہ کی حیثیت سے دونوں پر عمل کرو کہ خفین کی صورت میں مسح کرو اور بلا خف غسل ہے۔ پھر ممسوحات میں ذکر کیوں کیا گیا؟ اس کا جواب دیتے ہیں کہ پیر آخر میں دھوئے جاتے ہیں دھونے میں اسراف کرتے ہیں سارا پانی اس پر خرچ کرتے ہیں اس لیے اشارہ کر دیا کہ پیروں پر پانی زیادہ مت خرچ کرو۔

اور ایک جواب دیا گیا ہے دلالت النص کے اعتبار سے جیسے کہ "لا تقل لهما أف"-

فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے غسل وجہ کا حکم دیا اور حالانکہ وجہ میں نجاست نہیں پیروں میں نجاست کا قوی احتمال ہے لہٰذا اس مسح سے مراد غسل ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوُضُوءِ مَرَّةً مَرَّةً

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، وَهَنَّادٌ، وَقُتَيْبَةُ، قَالُوا: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ (ح) وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّةً مَرَّةً.

تین قسم کی حدیثیں ہیں ایک حدیث میں تین دفعہ وضو کا حکم آیا اور ایک میں دو اور ایک حدیث میں ایک کا ثبوت ہے، قلیل کثیر کی نفی کرتا ہے اور کثیر قلیل کی نفی کرتا ہے۔

تطبیق: مرۃ فرضیت ہے اور استحباب کے دو درجے ہیں اعلی اور نفس استحباب، نفس استحباب مرتین سے ہوا اور اعلی استحباب ثلاث مرات سے آئے گا۔

آیت کے مطابق تطبیق ہوتی ہے کیونکہ آیت میں فاغسلوا الخ آیا ہے اس سے نفس غسل (کا حکم) آیا ہے اور دومرۃ سے پورا ہو گا اور دیگر سے استحباب ادا ہو گا۔

باب ماجاء في الوضوء مرتين مرتين/باب ماجاء في الوضوء ثلاثا ثلاثا

باب في الوضوء مرة، ومرتين، وثلاثا

وضو کی کمیت کی حیثیت سے بحث ختم ہوئی اب کیفیت کے اعتبار سے بیان ہے۔

بَابٌ فِيمَنْ يَتَوَضَّأُ بَعْضَ وُضُوئِهِ مَرَّتَيْنِ، وَبَعْضَهُ ثَلَاثًا

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ، فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا، وَغَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ، وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ، وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ» هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَقَدْ ذُكِرَ فِي غَيْرِ حَدِيثٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ بَعْضَ وُضُوئِهِ مَرَّةً، وَبَعْضَهُ ثَلَاثًا. وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي ذَلِكَ، لَمْ يَرَوْا بَأْسًا أَنْ يَتَوَضَّأَ الرَّجُلُ بَعْضَ وُضُوئِهِ ثَلَاثًا، وَبَعْضَهُ مَرَّتَيْنِ أَوْ مَرَّةً.

ترمذی نے باب السواک کو کیوں مقدم کیا غسل ہاتھ مقدم کرنا چاہیے تھا؟

جواب: قرآن پر عمل کیا "فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ" الخ

قرآن نے وجہ کو ید سے مقدم کیا ہے؟

جواب: یہاں ترتیب غسل بیان نہیں ہوئی صرف رکنیت بیان ہو رہی ہے کہ ہاتھ اور وجہ رکنیت رکھتے ہیں وضوء کے لیے۔

(اشکال) پھر بھی تو ہاتھ مقدم ہونا چاہیے؟

جواب: چہرہ اشرف ہے تمام کمالات وجہ میں موجود ہیں اس لیے ان کو مقدم کیا ہے ید تو آلہ ہے۔

نص کا ایک درجہ منطوق کا ہے اور ایک درجہ مفہوم کا ہے اور ایک درجہ اقتضاء النص کا ہے یعنی نص کے احکام مذکور نہیں ہے مگر نص چاہتی ہے کہ موقوف علیہ ہونا چاہیے جیسے أعتق عبدک عنی، یہاں اقتضاء ہے کہ پہلے ملکیت ثابت ہو گی پھر وکیل بنے گا اس کے بعد غلام کو آزاد کرے۔ آیت میں اقتضاءً ید مقدم ہے، اگرچہ ذکراً مؤخر معلوم ہوتا ہے۔

بَابٌ فِي النَّضْحِ بَعْدَ الْوُضُوءِ

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، وَأَحْمَدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدِ اللهِ السَّلِيمِيُّ الْبَصْرِيُّ، قَالاَ: حَدَّثَنَا أَبُو قُتَيْبَةَ سَلْمُ بْنُ قُتَيْبَةَ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ الْهَاشِمِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: جَاءَنِي جِبْرِيلُ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، إِذَا تَوَضَّأْتَ فَانْتَضِحْ. هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ. وسَمِعْت مُحَمَّدًا، يَقُولُ: الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْهَاشِمِيُّ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ. وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي الْحَكَمِ بْنِ سُفْيَانَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَزَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ، وَأَبِي سَعِيدٍ. وقَالَ بَعْضُهُمْ سُفْيَانُ بْنُ الْحَكَمِ، أَوِ الْحَكَمُ بْنُ سُفْيَانَ، وَاضْطَرَبُوا فِي هَذَا الْحَدِيثِ.

بعض نے نضح سے مراد استنجاء لیا ہے اور بعض نے نضح سے مراد چھڑکنا لیا ہے۔

امام ترمذی نے معنیٰ متعین کر دیا کہ النضح بعد الوضوء،اس سے غسل مراد نہیں ہے اور حدیث کے الفاظ وضوء کو بھی شامل ہیں۔ حدیث غریب وہ ہے کہ کسی درجہ بھی میں ایک راوی روایت کرنے والا ہو کثیرین ساکت ہوں۔

ایک شاذ مقبول ہے اور ایک شاذ مردود ہے۔ ایک یہ ہے کہ ضعیف خلاف کرے ثقات سے اس کا نام منکر ہے ،اس کے مقابلے میں معروف ہے۔ اور ایک ثقہ خلاف کرے ثقات کا یہ مقبول ہے۔

واضطربوا فی ہذا الحدیث:

حدیث قال قال رسول اللہ ﷺ کے بعد کو کہا جاتا ہے اور یہاں سند میں اضطراب ہے۔ جواب دیا گیا کہ حدیث بمعنیٰ لغوی مراد ہے اور بعضوں نے کہا کہ مضاف مقدر کرو وَاضْطَرَبُوا فِي سند هَذَا الْحَدِيثِ ۔

بَابٌ فِي إِسْبَاغِ الْوُضُوءِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنِ العَلاَءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: أَلاَ أَدُلُّكُمْ عَلَى مَا يَمْحُو اللَّهُ بِهِ الخَطَايَا وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ؟ قَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: إِسْبَاغُ الوُضُوءِ عَلَى الْمَكَارِهِ، وَكَثْرَةُ الخُطَا إِلَى الْمَسَاجِدِ، وَانْتِظَارُ الصَّلاَةِ بَعْدَ الصَّلاَةِ، فَذَلِكُمُ الرِّبَاطُ.

وضو کو کامل کرنا یہ ایک باعتبار مقدار کے ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ابط (بغل) تک دھوتے تھے ،اور ایک اسباغ باعتبار کم منفصل کے ہے کہ تین تین بار دھولو، اور ایک اسباغ کیفیت کے اعتبار سے ہے نیند کے وقت نیند کو چھوڑ کر کھڑا ہو جانا وضو کرنا نفسانی خواہش چھوڑ کر عمل کرنا۔

فذالکم الرباط:

اصل میں وہ فوج جو سرحدوں پر پڑی رہتی ہے دشمن کے منہ میں رہنا ہوتا ہے۔

ورابطوا الخ: یعنی ہر نماز کے وقت کی فکر ہو تو گناہ کا خیال تک نہیں رہے گا۔

اسباغ الوضوء، مسجد میں رہنا عبادت کے لیے، اور ایک عبادت سے دوسری عبادت تک رہنا جہاد اکبر ہے، ان تینوں سے مراتب حاصل ہوتے ہیں، شواغل دنیویہ سے یہ مراتب حاصل نہیں ہوتے۔

مگر انگریز، خان اور دنیا دار نے اسباب کی طرف نظر کی، کہتے ہیں کہ ان (دین داروں) کے پاس اسباب اکل وشرب وغیرہ نہیں ہیں، کہتے ہیں کہ ان کے مساعی سب بیکار ہیں۔ مگر درجات اِن کے بڑے ہیں دین تب محفوظ رہے گا جب تک مسجد ہو۔ فذالکم الرباط أی المقابلة بالنفس والشیطان: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تیرہ سال تک یہی مشق کروائی، فتح مکہ سے پہلے جنھوں نے جہاد کیا اور فتح مکہ کے بعد جنھوں نے جہاد کیا دونوں ایک نہیں ہیں، مکہ میں صحابہ پٹتے رہے، ہاتھ نہیں اُٹھائے۔ عبید مصغر ہے اور مکبر بھی پڑھتے ہیں، عبیدہ۔

بَابُ الْمِنْدِيلِ بَعْدَ الْوُضُوءِ

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعِ بْنِ الجَرَّاحِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ حُبَابٍ، عَنْ أَبِي مُعَاذٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِرْقَةٌ يُنَشِّفُ بِهَا بَعْدَ الوُضُوءِ. حَدِيثُ عَائِشَةَ لَيْسَ بِالقَائِمِ وَلاَ يَصِحُّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا البَابِ شَيْءٌ. وَأَبُو مُعَاذٍ يَقُولُونَ: هُوَ سُلَيْمَانُ بْنُ أَرْقَمَ، وَهُوَ ضَعِيفٌ عِنْدَ أَهْلِ الحَدِيثِ. وَفِي البَابِ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ.

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا رِشْدِينُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زِيَادِ بْنِ أَنْعُمٍ، عَنْ عُتْبَةَ بْنِ حُمَيْدٍ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ نُسَيٍّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ غَنْمٍ، عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ مَسَحَ وَجْهَهُ بِطَرَفِ ثَوْبِهِ.

وضوء کے بعد اعضاء وضو کو خشک کرنا، بعض حدیثوں میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑا مقرر کر رکھا تھا، اعضاء وضوء خشک کر دیتے تھے، اور بعض میں آتا ہے کہ قمیص کے دامن سے خشک کرتے تھے، بیان کرنا یہ ہے کہ ماء مستعمل کا حکم کیا ہے؟ حدث حکمی کی وجہ سے پانی نجس ہے یا پاک ہے؟ امام صاحب فرماتے ہیں کہ طاہر تو ہے لیکن مطہر نہیں ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک طاہر ومطہر ہے اور ایک روایت میں امام صاحبؒ سے ماء مستعمل کی نجاست ثابت ہے اور اگر اس سے وضوء کرے تو وضوء نہیں ہو گا اور فرماتے ہیں کہ (ماء مستعمل) نجاست حقیقی اور مادی نجاست کے لیے طاہر ومطہر ہونا چاہیے اور نجاست حکمی کے لیے طاہر ہے مطہر نہیں ہے، ان دونوں حدیثوں سے قدر مشترک یہ نکلا کہ ماء مستعمل پاک ہے مطہر (پاک کرنے والا) نہیں ہے اگرچہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ پانی اعضاء پر رہ جائے تو قیامت کے دن وزن کیا جائے گا تو قیامت کا نفع ہے اس لیے انہوں نے (پانی خشک کرنے کو) مکروہ سمجھا تنجیس کی وجہ سے مکروہ نہیں سمجھا اور بعض علماء کا خیال ہے کہ کپڑے سے خشک کیا جائے تو پھر بھی تولا جائے گا۔

علي بن مجاهدعني: عنی بعض علماء نے عنعن سے مانا ہے، جریر نے ایک دفعہ اس حدیث کو علی بن مجاہد کو پڑھایا اور پھر جریر کو یاد نہ تھا اور حدیث بھی یاد نہ رہی تو ایک زمانہ کے بعد علی بن مجاہد سے پڑھا، جریر یہ کہتا ہے کہ میں نے یہ حدیث علی بن مجاہد سے سنی ہے مگر یہ روایت کرتا ہے عنی الی اور مجھے یاد نہیں رہی اور ایک آدمی استاد سے روایت کرے اور استاد نے انکار کیا تو اس حدیث کا اعتبار نہیں ہے۔

وهوعندي ثقة: جریر کا قول ہے کہ انھوں نے مجھ سے پڑھا ہے مگر میں انکار کرتا ہوں اور یہی حدیث ان سے پڑھتا ہوں کیونکہ یہ ثقہ ہے تو غرض علی بن مجاہد کاذب نہیں ہے، اصل میں سند دو طرح ہے محمد بن حمید عن علي بن مجاہد عن جریر عن ثعلبہ۔ اور جریر کے بھولنے کے بعد محمد بن حمید عن جریر عن مجاہد حال کونہ عن ثعلبہ۔

بَابُ مَا يُقَالُ بَعْدَ الوُضُوءِ

حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عِمْرَانَ الثَّعْلَبِيُّ الكُوفِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ يَزِيدَ الدِّمَشْقِيِّ، عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ الخَوْلاَنِيِّ، وَأَبِي عُثْمَانَ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الوُضُوءَ ثُمَّ قَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ، وَاجْعَلْنِي مِنَ المُتَطَهِّرِينَ، فُتِحَتْ لَهُ ثَمَانِيَةُ أَبْوَابِ الجَنَّةِ يَدْخُلُ مِنْ أَيِّهَا شَاءَ. وَفِي البَابِ عَنْ أَنَسٍ، وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ. حَدِيثُ عُمَرَ قَدْ خُولِفَ زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ فِي هَذَا الحَدِيثِ.

وَرَوَى عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ، وَغَيْرُهُ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، عَنْ عُمَرَ، وَعَنْ رَبِيعَةَ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ، عَنْ عُمَرَ. وَهَذَا حَدِيثٌ فِي إِسْنَادِهِ اضْطِرَابٌ، وَلاَ يَصِحُّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا البَابِ كَبِيرُ شَيْءٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وَأَبُو إِدْرِيسَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ عُمَرَ شَيْئًا.

اعزاز اور خوشی کے لیے دروازے کھول دیے جائیں گے مگر داخل ایک سے ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے دو ہیں، حضرت ابو عثمان اور حضرت ابو ادریس اور روایت بھی بلاواسطہ کرتے ہیں، اور دونوں کا زمانہ بھی ایک معلوم ہوتا ہے۔

زید بن حباب عن معاویہ بن صالح سے روایت کرتے ہیں اور ایسے ہی عبد اللہ بن ابی صالح عن معاویہ بن اَبی صالح سے روایت کرتے ہیں، مگر عبد اللہ بن ابی صالح زید بن حباب کے خلاف کرتا ہے۔

عبد اللہ بن اَبی صالح معاویہ سے وہ ربیعہ سے اور وہ ادریس سے۔ ابی عثمان نہیں ہے۔

بخاری ابی عثمان کی عقبہ بن عامر سے روایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زید بن اَبی حباب نے عثمان سے روایت کی ہے اور اَبی ادریس کو براہ راست عمر تک پہنچانا بھی غلطی ہے، بلکہ واسطہ درمیان میں عقبہ بن عامر ہے، یعنی زید بن حباب نے دو غلطیاں کی ہیں:

نمبر ۱: ابی ادریس اور ابی عثمان دونوں کو حضرت عمر کا شاگرد بنا دیا۔ رضی اللہ عنہ

نمبر ۲: بلاواسطہ ابی ادریس کو حضرت عمر تک لے جاتا ہے حالانکہ واسطہ عقبہ بن ابی عامر موجود ہے۔

وعن ابی عثمان کے عطف میں اشکال ہے، ظاہر تو یہ ہے کہ عن ابی ادریس پر عطف ہے اب ربیع کی روایت ابی ادریس اور ابی عثمان دونوں سے ہوگی مگر فرق ہوگا اسی لیے کہ اس عطف کے وقت ربیع روایت کرتا ہے ابی عثمان سے اور عثمان واسطہ بھی لاتا ہے مگر زید بن حباب اس واسطے کے قائل نہیں تو عبد اللہ بن ابی صالح سے ایک اختلاف پھر بھی رہا اور ابی ادریس اور ابی عثمان کے واسطے میں جدا جدا ابتلائی۔

یا عن اَبی عثمان کا عطف ربیع پر ہے اب عبد اللہ بن ابی صالح کی روایت ربیع عن عثمان ہے اور زید بن حباب بھی ادریس کو ساتھ ملاتے ہیں، اب بھی ان میں خلاف رہا، لوگ ترجیح دیتے ہیں کہ عبد اللہ بن اَبی صالح معاویہ بن اَبی صالح سے اور یہ ربیع سے روایت نہیں کرتا، ابی معاویہ بن ابی صالح عن عثمان ہے اور عبد اللہ بن ابی صالح جب ابی ادریس سے روایت کرتا ہے تو معاویہ بن ابی صالح عن ربیع کرتا ہے۔

بَابُ الوُضُوءِ بِالْمُدِّ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ، عَنْ أَبِي رَيْحَانَةَ، عَنْ سَفِينَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ، وَيَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ.

وَفِي البَابِ عَنْ عَائِشَةَ، وَجَابِرٍ، وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ. حَدِيثُ سَفِينَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَأَبُو رَيْحَانَةَ اسمه عَبْدُ اللهِ بْنُ مَطَرٍ. وَهَكَذَا رَأَى بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ الوُضُوءَ بِالْمُدِّ، وَالغُسْلَ بِالصَّاعِ.

وقَالَ الشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ: لَيْسَ مَعْنَى هَذَا الحَدِيثِ عَلَى التَّوَقِّيتِ أَنَّهُ لاَ يَجُوزُ أَكْثَرُ مِنْهُ، وَلاَ أَقَلُّ مِنْهُ وَهُوَ قَدْرُ مَا يَكْفِي.

مد صاع کا چوتھا حصہ ہوتا ہے چار مد سے صاع بنتا ہے امام صاحب اور امام شافعیؒ کے نزدیک مد اور صاع میں اختلاف ہے۔

امام صاحب کے نزدیک مد رطلان سے بنتا ہے اب صاع میں آٹھ رطل ہونگے اور شوافع چار مد مانتے ہیں مگر مد میں ایک رطل اور ثلث رطل ہوتا ہے توشوافع کے نزدیک صاع پانچ رطل کا ہے۔

امام ابو یوسفؒ حج کے لیے گئے اور امام مالکؒ اس زمانے میں تھے امام ابو حنیفہ اور امام مالکؒ کا زمانہ ایک ہے امام ابو یوسفؒ مدینہ میں گئے تو ایک مسئلے میں امام مالکؒ سے مناظرہ ہوا ہارون رشید وغیرہ موجود تھے امام ابو یوسفؒ غالب رہے، امام مالکؒ جواب نہ دے سکے اور وہ مسئلہ سجدہ سہو کا تھا اور پھر امام ابو یوسفؒ نے صاع کے بارے میں دریافت کیا اور امام مالکؒ ایک صاع لائے تولا گیا تو پانچ رطل کا نکلا پھر آپ نے اہل مدینہ سے دریافت کیا اور انہوں نے صبح پچاس صاع لائے وہ بھی پانچ رطل کے تھے توانہوں نے امام صاحب کا مذہب چھوڑا اور مدینی صاع پر عمل کیا۔ امام ترمذیؒ حدیث بیان کرنے کے بعد صحابہ اور تابعین اور ائمہ اربعہ کے معمول بہا کو بھی ذکر کر دیتے ہیں، حدیث میں مد کے ساتھ تخصیص نہیں ہے کمی اور زیادتی کرے تو جائز ہے، لولاه لامتنع نہیں ہے، فصح لدخول الفاء ہے۔

بَابُ كَرَاهِيَةِ الْإِسْرَافِ فِي الْمَاءِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَارِجَةُ بْنُ مُصْعَبٍ، عَنْ يُونُسَ بْنِ عُبَيْدٍ، عَنِ الحَسَنِ، عَنْ عُتَيِّ بْنِ ضَمْرَةَ السَّعْدِيِّ، عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِنَّ لِلْوُضُوءِ شَيْطَانًا، يُقَالُ لَهُ: الوَلَهَانُ، فَاتَّقُوا وَسْوَاسَ الْمَاءِ. وَفِي البَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، وَعَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ.

حَدِيثُ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ حَدِيثٌ غَرِيبٌ، وَلَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالقَوِيِّ وَالصَّحِيحِ عِنْدَ أَهْلِ الحَدِيثِ، لأَنَّا لاَ نَعْلَمُ أَحَدًا أَسْنَدَهُ غَيْرَ خَارِجَةَ، وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ، عَنِ الحَسَنِ قَوْلَهُ: وَلاَ يَصِحُّ فِي هَذَا البَابِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ وَخَارِجَةُ لَيْسَ بِالقَوِيِّ عِنْدَ أَصْحَابِنَا، وَضَعَّفَهُ ابْنُ الْمُبَارَكِ.

ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے مگر ہمیں کچھ اجازت دی ہے محدود اجازت ہے اور اگر اس حد سے تجاوز کرے تو مسرف ہوگا اگرچہ پانی زائد کیوں نہ ہو اسی طرح سینما میں پیسے خرچ کرے اور کہہ دے کہ میرا مال ہے میں جیسے بھی کروں تو کر سکتا ہوں تو یہ جائز نہیں مسلمان مسرف بنے گا تو باز پرس ہوگی۔

الولهان، وله بمعنى تحير۔

بَابُ الوُضُوءِ لِكُلِّ صَلاَةٍ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ الفَضْلِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلاَةٍ طَاهِرًا أَوْ غَيْرَ طَاهِرٍ، قَالَ: قُلْتُ لأَنَسٍ: فَكَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ أَنْتُمْ؟ قَالَ: كُنَّا نَتَوَضَّأُ وُضُوءًا وَاحِدًا.

ایک صورت یہ ہے کہ ہر نماز کے لیے وضو کرے اور ایک صورت یہ ہے کہ ایک وضو سے بہت سی نمازیں پڑھے اس مسئلے کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔ دو قسم کی حدیثیں لاتے ہیں، ہر نماز کے لیے وضو ہونا چاہیے اس کی دلیل قرآن سے ثابت ہے اذا قمتم الی الصلوة الخ۔

اب وجوبِ طہارت وجوبِ صلوٰۃ سے ہے یا صحتِ صلوٰۃ سے ہے یا وجود صلوٰۃ سے ہے؟ اذا قمتم میں تاویل کرتے ہیں اذا قمتم ای أردتم الصلوة۔

بعض لوگ وجوبِ صلوٰۃ سے وجوبِ طہارت مانتے ہیں جس پر صلوٰۃ واجب نہیں تو وضو بھی واجب نہیں جیسے کہ بچہ ہو گیا، مجنون ہو گیا۔ اس پر لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ وجوبِ صلوٰۃ سے مقصد یہ ہوا کہ فرض کے لیے تو وضو ہو، نوافل ویسے ہی پڑھے۔ ایک زمانہ میں ہر نماز کے لیے وضو کا حکم واجب تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ حکم استحبابی ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وضو کا وجوب حدث سے ہے یعنی حدث سبب ہے، یعنی شبہ لگا کہ حدث سبب ہے۔

وأنتم محدثون مقدر مانتے ہیں۔ آیت میں رائے سے أنتم محدثون کیوں لگایا؟ اس کا جواب دیا گیا کہ تیمم کے باب میں حدث کا ذکر ہے اور طہارت میں دونوں ایک ہیں، لہٰذا وجوب وضوء بھی بالحدث ہو گا۔

قال قلت لأنس سے معلوم ہوتا ہے کہ وجوب آپ ﷺ کے لیے تھا اور بعد میں آپ ﷺ سے بھی ساقط کر دیا گیا اور دوسری حدیث آئے گی کہ اہل حدیث اہل مدینہ کی حدیث لیتے ہیں اور امام صاحبؒ کو بھی مشرقی کہتے ہیں یعنی کوفہ اور بصریٰ وغیرہ کو مشرق کہتے ہیں، مشرقی حدیث ہر ایک ضعیف ہو یہ ٹھیک نہیں۔

اہل حدیث بخاری اور مسلم کو امام صاحبؒ پر ترجیح دیتے ہیں اور یہ قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ہے قوت وصحت روایت سے آتی ہے علماء اپنے اجتہاد سے ترجیح دیتے ہیں، امام ترمذی امام بخاری کی بھی مخالفت کرتا ہے، ایک حدیث کو بخاری ترجیح دیتا ہے ترمذی رد کرتا ہے صحت کا مسئلہ ائمہ کے کہنے پر موقوف ہے محدثین اپنے خیال میں بعض کو عادل فرماتے ہیں اور بعض کو ضابط اور امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہ متقدمین میں سے ہیں اور ان میں بھی امام صاحبؒ امام مالک سے مقدم ہیں، قرن اول میں پیدا ہوئے ہیں، امام مالک کی وفات امام صاحب کے بعد کی ہے۔

امام بخاریؒ وغیرہ تیسری صدی کے لوگ ہیں امام صاحب خیر القرون میں پیدا ہوئے ہیں اور ایک روایت سے امام صاحب تابعی ثابت ہے امام بخاری ضعیف کہے تو اپنے استاد کو ضعیف کہے گا تو ٹھیک ہے لیکن امام صاحب کی حدیث کو ضعیف نہیں کہہ سکتے کیونکہ امام صاحب کے راوی کم ہیں خیر القرون کے ساتھ ہیں امام صاحب کے بارے میں محدثین کی جرح معتبر نہیں امام بخاریؒ کو ضعف ملا ہے تو سند متاخرہ سے ملا ہوگا اور دوسری بات یہ ہے کہ ایک مجتہد کا قول دوسرے مجتہد کے حق میں معتبر نہیں ہے، مشرق سے تو طلوع آفتاب ہوتا ہے مغرب والے کیسے رد کرسکتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّهُ يُصَلِّي الصَّلَوَاتِ بِوُضُوءٍ وَاحِدٍ

بَابٌ فِي وُضُوءِ الرَّجُلِ وَالمَرْأَةِ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ أَبِي الشَّعْثَاءِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: حَدَّثَتْنِي مَيْمُونَةُ قَالَتْ: كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ مِنَ الْجَنَابَةِ.

بَابٌ فِي كَرَاهِيَةِ فَضْلِ طَهُورِ الْمَرْأَةِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلاَنَ، قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِي حَاجِبٍ، عَنْ رَجُلٍ، مِنْ بَنِي غِفَارٍ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ فَضْلِ طَهُورِ الْمَرْأَةِ.

بَابُ الرُّخْصَةِ فِي ذَلِكَ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الأَحْوَصِ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: اغْتَسَلَ بَعْضُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَفْنَةٍ، فَأَرَادَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَتَوَضَّأَ مِنْهُ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي كُنْتُ جُنُبًا، فَقَالَ: «إِنَّ المَاءَ لَا يُجْنِبُ». هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَمَالِكٍ، وَالشَّافِعِيِّ۔

ایک مسئلہ یہ ہے کہ زوجین معاً ایک برتن سے غسل کریں اور ایک مسئلہ یہ ہے کہ عورت نے غسل کیا اس سے بچے ہوئے پانی سے مرد غسل کرسکتا ہے یا نہیں؟ تعاقب کی صورت میں ایک روایت میں ممانعت آئی ہے کہ فضل مرأۃ سے غسل نہ کرے[1]

---

[1] حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلاَنَ، قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِي حَاجِبٍ، عَنْ رَجُلٍ، مِنْ بَنِي غِفَارٍ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ فَضْلِ طَهُورِ الْمَرْأَةِ. سنن الترمذي، بَابٌ فِي كَرَاهِيَةِ فَضْلِ طَهُورِ الْمَرْأَةِ (١/ ١١٩)

اور ایک روایت میں ہے، ان الماء لا یجنب [1]، یجنب باب افعال اور مجرد دونوں سے مستعمل ہے، باب افعال لازم استعمال ہوا ہے، سلب ماخذ کے لیے ہے۔

نہی کے دو معنیٰ ہیں اور فضل کے بھی دو معنیٰ ہیں، ماءِ مستعمل جو اعضاء سے گر گیا ہے اور ایک وہ پانی ہے جو باقی رہ گیا ہے برتن میں۔ اور مرأۃ کے بھی دو معنیٰ ہیں، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ نہی تنزیہی ہے تو کوئی اشکال نہیں ہے اور اگر نہی تحریمی ہے تو فسخ کا قول کیا جائے گا۔ ایک صورت تطبیق کی یہ ہوئی اور دوسری صورت یہ ہے فضل ماء سے مراد ماء مستعمل ہے اور جو برتن میں بچا ہوا ہے اس سے غسل جائز ہے۔

مرأۃ (عورت) کے فضل سے اس لیے منع فرمایا کہ عورتیں نظافت کا خیال نہیں رکھتی ہیں، گندگی ان کے ساتھ ہوتی ہے اور عورتوں کو ضرورتا جائز ہے، الضرورات تبیح المحظورات۔

مرأۃ (عورت) اپنی ہو یا غیر کی ہو سب مراد ہے، اور عورتوں سے قطرات گرنے کا اندیشہ ہے یقینی نہیں ہے اس لیے آپ نے جواز بھی رکھا ہے، اور بعض نے کہا کہ عورت میں جاذبیت ہے ممکن ہے کہ کسی کو لذت حاصل ہو، اس کو کہتے ہیں دفع الوسائل، اور سد ذرائع فقہاء کی اصطلاح میں۔ بعض نے کہہ دیا ہے کہ مرأۃ سے مراد مرأۃ غائبہ ہے کیونکہ غائبانہ عورتیں احتیاط سے وضو نہیں کرتیں [2] اور حضور ﷺ نے مرأۃ حاضرۃ کے فضل سے وضو کیا ہے اور حضور (مرد کی موجودگی) میں جب وضو کرے گی تو احتیاط کرے گی۔ بعض نے فرمایا کہ مرأۃ سے مراد مرأۃ محرمہ ہے اپنی بیوی کے فضل سے وضو جائز ہے، مگر نہی مرأۃ اجنبیہ کے فضل پر آئی ہے۔

---

١ عن ابن عباس، قال: اغتسل بعض أزواج النبي صلى الله عليه وسلم في جفنة، فأراد رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يتوضأ منه، فقالت: يا رسول الله، إني كنت جنبا، فقال: إن الماء لا يجنب.[سنن الترمذي،باب الرخصة في ذلك (١/ ١٢١)] حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، حَدَّثَنَا سِمَاكٌ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: اغْتَسَلَ بَعْضُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَفْنَةٍ، فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَتَوَضَّأَ مِنْهَا أَوْ يَغْتَسِلَ، فَقَالَتْ: لَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي كُنْتُ جُنُبًا؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ الْمَاءَ لَا يُجْنِبُ»[سنن أبي داود، بَابُ الْمَاءِ لَا يُجْنِبُ (١/ ١٨) الناشر: المكتبة العصرية، صيدا – بيروت]

٢-غائبانہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ عورت جس کے پاس شوہر موجود نہ ہو تو شاید وہ احتیاط نہ کرے، لیکن شوہر کی موجودگی میں پاکی کا خیال کرے گی۔ واللہ اعلم (م-ض)

اور بعض نے فرمایا کہ عورتوں کی دو قسمیں ہیں حائضات اور نفساء کے فضل سے منع ہے اور ان کے علاوہ کے فضل سے وضو جائز ہے۔ اور بعض نے کہا کہ مرأۃ فاسقہ اور کافرہ مراد ہے کیونکہ یہ احتیاط نہیں کرتی اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ نہی منسوخ ہے۔ اور من اناء واحد، یہ زوجین میں جائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْمَاءَ لاَ يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ، قَالَ: قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَتَتَوَضَّأُ مِنْ بِئْرِ بُضَاعَةَ، وَهِيَ بِئْرٌ يُلْقَى فِيهَا الحِيَضُ، وَلُحُومُ الكِلاَبِ، وَالنَّتْنُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ لاَ يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ.

الحیض یہ جمع حیضة ہے بمعنیٰ چیتھڑے۔ النتن بدبودار چیزیں۔

لا ینجسہ شئی۔ الماء طہور کی تاکید ہے اس کو مسئلہ ءمیاہ کہتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ پانی کے تین اوصاف ہیں، طعم، ریح، رنگ۔ ان تینوں وصفوں سے ایک بھی بدلے تو پانی ناپاک ہے، مگر ماء قلیل وقوع نجاست سے ناپاک ہو گا اور پانی کثیر وقوع نجاست سے ناپاک نہیں ہو گا۔ اور ماء جاری بھی امام صاحب کے نزدیک وقوع نجاست سے ناپاک نہ ہو گا، اور ماءراکد کی مقدار عشر فی عشر ہو تو ماءِ کثیر کے حکم میں ہے۔ مربع دس گز کا ہو اور سطح بھی دس گز کا ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ حوض کی ایک جانب سے وضو کرے تو دوسری جانب حرکت نہ ہو۔ یا ایک دو طرف۔ ایک طرف رنگ رہے گا تو دوسری جانب اثر نہ پہنچا ہو۔ اور بعض نے کہا کہ مبتلاء بہ کی رائے پر موقوف ہے۔ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ وقوع نجاست سے پانی ناپاک نہیں ہوتا قلیل کثیر کا اعتبار نہیں کیف کا فرق ہے، کیفیت بدل گئی تو پانی ناپاک ہے۔

اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قلتین وما فوق قلتین سے پانی ناپاک نہ ہو گا، جب تک اوصاف نہ بدلیں، تغیر اوصاف سے پانی ناپاک ہوتا ہے، اس بات کے سب ائمہ قائل ہیں اور قلتین سے کم ہو تو ناپاک ہو گا۔

امام صاحبؒ کے نزدیک قلیل کثیر کی مقدار مبتلی بہ (کی رائے) پر موقوف ہے، قلتین اور لا قلتین کا فرق نہیں، وضو کرنے والا جس کو قلیل سمجھے وہ قلیل ہے اور جس کو کثیر سمجھے وہ کثیر ہے۔

اور امام شافعیؒ نے حدیث قلتین پر مدار رکھا ہے، امام مالکؒ کا مستدل الماء طہور لا ینجسہ شیئ ہے۔ اہل حدیث کہتے ہیں کہ اس بارے میں امام ابو حنیفہؒ کا مذہب کمزور ہے کیونکہ حدیث ہوتے ہوئے رائے باطل ہے اور امام صاحب نے رائے پر عمل کیا ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ دونوں حدیثیں متعارض ہیں اور اذا تعارضا تساقطا۔

امام شافعیؒ نے سمجھا کہ میرا مذہب الماء طہور لا ینجسه شیئ کے خلاف ہے اور امام مالکؒ نے بھی سمجھا ہے کہ میرا مذہب حدیث قلتین کے خلاف ہے، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ الماء طہور کے معارض حدیث قلتین نہیں ہے، قلتین ہو تو پانی ناپاک نہیں ہوتا، ٹھیک ہے ہم بھی کہتے ہیں کہ پانی ناپاک نہیں ہوتا اور قلتین سے کم ناپاک ہے۔ اس میں امام شافعیؒ کی رائے کا دخل ہے اور ہم رائے کے مقلد نہیں ہیں، امام شافعیؒ الماء طہور کی تاویل کرتے ہیں کہ الماء طہور اذا کان قلتین یعنی الماء عام کی تخصیص کرتے ہیں مقید کرتے ہیں قلتین کے ساتھ۔ اور اہل ظواہر کی مثال ایسی ہے کہ آنکھ خراب ہے چشمے نہیں لگاتے اس لیے لوگ ان کا ذکر کم کرتے ہیں اور اعتبار بھی نہیں ہے، ان کا مذہب یہ ہے کہ اوصاف بدل جائیں تب بھی پانی پاک رہے گا۔

امام صاحبؒ حدیث کی تاویل کرتے ہیں کہ کوئی قوی حجت ہو ورنہ حدیث اپنی حالت پر چھوڑ دیتے ہیں۔

امام صاحبؒ کی دلیل ہے، اذا ولغ الکلب فی الاناء الخ[1] سات یا آٹھ دفعہ دھونے کا حکم ہے یہ حدیث بخاری و مسلم کی ہے، کتے کے منہ ڈالنے سے اوصاف نہیں بدلتے اور حکم ہے کہ اس کو دھولو اور مانجھ کر دھولو۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ قلیل پانی ناپاک ہوتا ہے وقوع نجاست سے اگرچہ اوصاف نہ بدلیں۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اذا استیقظ من منامه الخ۔ فانه لا یدری این باتت یده الخ:[2] اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وقوع نجاست فی ماء قلیل موجب نجس ہے۔

تیسری دلیل حدیث ہے کہ بیر زمزم میں ایک حبشی گر گیا تھا کسی صحابی نے الماء طہور لا ینجسه شیء نہیں فرمایا بلکہ پانی نکالا، سب کا نکالنا دلیل ہے کہ ماء قلیل ناپاک ہوتا ہے حالانکہ پانی کے اوصاف نہیں بدلے تھے۔

اب امام صاحبؒ حدیث کے بارے میں بڑے محتاط تھے حدیث کے سامنے سر جھکا دیتے تھے، سب سے پہلے امام مالکؒ کو کہتے ہیں کہ اس حدیث پر میرا عمل نہیں ہے اور تمہارا بھی عمل نہیں ہے، وہ یہ ہے کہ اس میں اہل ظواہر کا قول صحیح

---

١ -وَحَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، أَخْبَرَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ أَبِي رَزِينٍ، وَأَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيُرِقْهُ ثُمَّ لِيَغْسِلْهُ سَبْعَ مِرَارٍ»[صحيح مسلم،بَابُ حُكْمِ وُلُوغِ الْكَلْبِ (١/ ٢٣٤)دار إحياء التراث العربي – بيروت]

٢ -عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ، فَلَا يَغْمِسْ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتَّى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ».[صحيح مسلم، بَابُ كَرَاهَةِ غَمْسِ الْمُتَوَضِّئِ وَغَيْرِهِ يَدَهُ الْمَشْكُوكَ فِي نَجَاسَتِهَا فِي الْإِنَاءِ قَبْلَ غَسْلِهَا ثَلَاثًا (١/ ٢٣٣)]

ہے آپ کا قول ٹھیک نہیں کیونکہ اوصاف کے بدلنے سے آپ کے نزدیک بھی پانی ناپاک ہے۔ اور اس حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہے اور یہ بھی معقول جواب ہے۔ دوسرا جواب دیتے ہیں کہ حدیث ضعیف ہے اور اس کا ضعف امام ترمذی بھی مانتے ہیں، امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مضطرب ہے، ابو اسامہ کی بعض سندیں عبید اللہ بن عبد الرحمان سے آئی ہیں۔ اور یہاں عَنْ عُبَيْدِاللهِ بِنْ عَبْدِاللهِ ہے اور تیسری اور چوتھی میں عن عبید اللہ بھی نہیں ہے بلکہ عن عبدالرحمان آیا ہے۔ الماء طهور لا ينجسه شيئ: سالبہ کلیہ ہے، آپ کا اس پر عمل نہیں ہے۔ بعض جواب دیتے ہیں کہ اس حدیث کے ساتھ کچھ زیادتی ہے، تغیر اوصاف سے ناپاک ہو گا، مگر ہم کہتے ہیں کہ امام مالکؒ کے نزدیک وہ زیادتی معتبر نہیں ورنہ ساتھ ذکر کر دیتے۔

تیسرا جواب دیتے ہیں کہ حدیث ولوغ کلب صحیح ہے اور آپ مرجوح حدیث پر عمل کرتے ہیں۔

چوتھا جواب دیتے ہیں کہ اس کا تعلق قلتین کے ساتھ ہے اور پھر ان دنوں کا تعلق ولوغ کلب سے ہے اور یہ دونوں ضعیف ہیں اور ولوغ کلب والی حدیث صحیح ہے، لہٰذا یہ متروک ہے۔

پانچواں جواب یہ ہے کہ الماء طهور ہمارے مخالف نہیں ہے مگر حدیث کو مانتا ہوں اور عموم کو نہیں مانتا، یہ سوال بیر بضاعۃ کے متعلق ہے، الف لام طہور عہد خارجی ہے۔ امام مالکؒ کا مستدل عام رکھنے کی صورت میں ہو گا دلیل خاص ہوئی اس سے عموم کا ثبوت نہیں ہوتا اس لیے صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کا سوال ہی بیر بضاعۃ سے تھا۔

چھٹا جواب یہ ہے کہ اگر اس کو عام مان لیا جائے تو عام مخصوص البعض بن جائے گا یا خاص ہے ابتداءً یعنی بیر بضاعۃ مراد ہے یا خاص ہے انتہاءً، قلیل اس سے خارج ہے، سوال و جواب کی وجہ سے۔

ساتواں جواب دیتے ہیں کہ حدیث امام مالکؒ کے بھی خلاف ہے اس لیے کہ اس میں چھیتڑے اور لحوم الحمر ڈالے جاتے تھے تو یہ مستلزم تغییر اوصاف ہے عقلی مقتضی ہے کہ یہ ناپاک ہے، اس کی توجیہ کی شاہ ولی اللہؒ نے الماء طہور بقاء نجاست کی حالت میں پاک ہے یا بعد خروج نجاست کے پاک ہے فرماتے ہیں کہ آپ اس سے پیتے اور وضو فرماتے تھے اور آپ ﷺ جیسا نظیف اور کوئی نہیں ہے لہٰذا خروج نجاست کے بعد سوال کیا گیا مگر وہ یہ کہ صحابہ کرامؓ نے فرمایا کہ اس میں تو پہلے نجاستیں تھیں تو کیا یہ پاک ہوا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ الماء طهور لا ينجسه شيئ۔

حالتِ نجاست میں پاکی کا حکم دینا خلاف عقل ہے جیسے کہ آجکل کسی جگہ پاخانہ ہو اور بعد میں مسجد بنے تو لوگوں کو شبہ پڑے گا، نماز نہیں پڑھیں گے، آپ ﷺ نے جواب سے شبہ کو رفع فرمایا۔

الماء طہور لاینجسہ شیئ اس کے علاوہ ایک اور جواب امام صاحبؒ نے دیا ہے پہلے ایک مقدمہ سنو!

ایک دفعہ آپ ﷺ راستے میں جارہے تھے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ملے تو فوراً غائب ہوگئے، غسل کرکے آئے تو آپ ﷺ نے پوچھا کہاں گئے تھے؟ کہنے لگے؛ جنبی تھا، غسل کرکے آیا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: المؤمن لاینجس، حضرت ابوہریرہ سمجھے کہ مجھ میں کفر کی نجاست نہیں۔ حضور ﷺ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ دونوں کا مقصد یہ تھا کہ جنبی نجس نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ نے سمجھا تھا کہ جنبی کو طاہر سے باتیں نہیں کرنی چاہئے تو حضور ﷺ نے حضرت ابوہریرہ کے ذہن میں جس نجاست کا تصور تھا اس کا سلب کردیا، اسی طرح بیر بضاعہ ناپاک توہے مگر پانی فی نفسہ پاک ہے حمد اللہ میں ہے کہ بعض چیزیں دو دفع حمل ہوتی ہیں جیسے کہ مفہوم (ما حصل فی الذھن مفھوم ہے) المفہوم مفہوم۔ مفہوم ہر چیز کو عارض ہے اپنے نفس کو بھی حاصل ہے۔

اسی طرح الماء طہور ،المفہوم مفہوم کی طرح ہے۔

حمل کی چار قسمیں ہیں، قسم اول منع ہے، موضوع محمول ایک ہے، حمل کے لیے درمیان میں نسبت ضروری ہے شیے واحد کے اندر نسبت کیسے آئے؟ تو المفہوم مفھوم حمل اولیٰ بھی ہے اور شائع متعارف بھی ہے۔

المفہوم مفہوم حمل شائع متعارف ہے اور المفہوم لا مفہوم حمل اولیٰ ہے اور لامفہوم مفہوم صحیح ہے۔

اب الماء طہور لا ینجسہ شیئ پانی فطرتاپاک ہے مگر عرضاناپاک ہے، دوسری مثال یہ ہے زید قائم کہنا بھی ٹھیک ہے اورزید لا قائم کہنا بھی صحیح ہے کیونکہ قیام فی ذاتہ داخل نہیں ہے اس سے خارج ہے یعنی الماء بذاتہ ناپاک نہیں ہے بالذات پاک ہے اور بالعرض ناپاک ہے اور جیسے لا قائم بالذات اور زید قائم بالعرض ہے تو لولا الاعتبارات لبطل الحکمۃ ۔اور میں کہتا ہوں لولا الاعتبارات لبطل الدنیا،ایک ہی شخص باپ بھی ہے ،بیٹا بھی ہے، خال بھی ہے، صاحب البحر الرائق نے {وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ}[1] سے استدلال کیا ہے کہ ما خرج من السبیلین خبائث میں داخل ہے، اب خبیث منفرداً بھی نجس ہے اور دوسروں کو بھی نجس کرنے والی ہے مگر زیادہ پانی اور جاری پانی تو نجاست منقلب کرکے پاک کردیتی ہے اور ماء قلیل میں یہ بات نہیں، ماء قلیل میں خبیث گر جائے تو خبیث بنادے گا۔

اور امام شافعیؒ کو جواب دیا جارہاہے، امام شافعیؒ جب قلتین کو معیار بناتے ہیں تو تغییر اوصاف سے بدل جائے تو نجس نہ ہونا چاہیے حدیث میں یہ قید نہیں۔

---

١ -[الأعراف: ١٥٧]

امام مالکؒ الماء میں طہور کو عام لیتے ہیں۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث عام نہیں ہے لام عہد خارجی ہے بیر بضاعہ کا پانی مراد ہے اور اصول میں آیا ہے کہ سب سے پہلے الف لام عہد خارجی بنانا چاہیے جنس کا درجہ بعد میں ہے۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر عام ہوتا تو عام مخصوص منه البعض ہے، یا تو الماء سے قلیل خارج ہے داخل نہیں ہے یا شامل ہے بھی تو انتہاءً تخصیص آئے گی کیونکہ بیر بضاعہ کے سوال میں واقعہ ہوا ہے اور بیر بضاعہ ماء جاری تھا۔

اور ایک جواب امام طحاویؒ نے دیا ہے بڑا اچھا جواب ہے، امام طحاویؒ نے صحابہ [رضوان اللہ علیہم اجمعین] کے سوال کی وجہ بیان فرمائی ہے۔ فرمایا کہ ماء البیر میں دو قیاس ہیں:

قیاس نمبر ۱: پانی بیر ناپاک نہ ہو کیونکہ اوپر سے نکلتا جاتا ہے، اس لیے جاری کے حکم میں ہے۔

اور دوسرا قیاس اس بات کو چاہتا ہے کہ بیر پاک نہ ہو کیونکہ پاکی کی صورت یہ ہے کہ پانی نکالیں، گارا نکالیں، دیواریں صاف کریں مگر بئر میں یہ بات نہیں چلتی، ہاں اتنی بات ہے کہ چیز کی پاکی اس کے مناسب ہے، چٹائی بوریا کے دھونے کی صورت اور ہے کپڑا دھونے کا حکم اور ہے زمین ناپاک ہو جائے تو اس کی پاکی کی صورت اور ہے اس لیے صحابہ نے سمجھا کہ کنواں ناپاک ہو گیا جب تک اس کو نہ الٹایا جائے تو پاک نہ ہو گا لہٰذا رسول پاک ﷺ سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے طریقہ بتلا دیا کہ پانی نکال دو تو بس بیر پاک ہو گیا، ڈول بھی، رسی بھی پاک، گارا بھی پاک۔

اگر الماء طہور موجبہ کلیہ ہوتی تو امام مالک کا مستدل ثابت ہوتا اور یہ موجبہ کلیہ نہیں قضیہ شخصیہ ہے اور اسی طرح لا ینسجه شیئ سالبہ کلیہ ہو یہ بھی نہیں بظاہر تو نفی تحت النکرہ۔ لا ینجسه شیئ رفع ایجاب کلی ہے سلب کلی نہیں ہے اور رفع ایجاب کلی سالبہ کلیہ اور سالبہ جزئیہ دونوں میں متحقق ہوتی ہے۔ منطق میں صغریٰ بنانا آسان ہے مگر کبریٰ بنانا مشکل ہے۔ جاء زید میں زید فاعل ہے اور کل فاعل مرفوع یہ بات مشکل ہے، اب جزئیات کو دیکھنا ہو گا۔ نحویوں نے ایسے ہی کیا۔

دلیل تین قسم کی ہے جزئی سے جزئی پر استدلال اور کلی سے جزئی پر استدلال اور کلی سے کلی پر استدلال۔ دوسرا مسئلہ امام شافعیؒ کا ہے جو قلتین سے استدلال کرتے ہیں امام صاحب ان کو بھی عجیب جواب دیتے ہیں۔ سنداً مضطرب ہے عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ اس قلتین کی سند میں آتا ہے۔ مگر پہلی سند والے سے جدا ہے۔ محمد بن اسحاق پر محدثین نے سخت جرح کی ہے جو قلتین کی سند میں آتا ہے بعض محدثین نے کہا ہے کہ ہم بیت اللہ میں جا کر قسم کھائیں گے کہ یہ جھوٹا ہے اور محمد بن اسحاق کی دوسری سند میں محمد عن جعفر نہیں بتلاتے بلکہ عن زہریؒ کہہ دیتے ہیں اور

اس کے بعد سالم لاتے ہیں ایک اضطراب یہ ہے۔اور دوسرا اضطراب محمد عن جعفر کی حیثیت سے ہے وہ کبھی عن عبید اللہ بن عبد اللہ بتلاتے ہیں اور کبھی عبد اللہ عن عبد اللہ بتلاتے ہیں مگر مصغر ذکر نہیں کرتے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث امام صاحب کی مخالف ہے ایسے ہی الماء طھور کے بھی مخالف ہے اذا تعارضا تساقطا۔امام صاحب کی حدیث پکی ہے الماء طہور ضعیف ہے اور معارض بھی لہذا ساقط ہے اور اسی طرح قلتین کی حدیث کی سند ضعیف ہے اور معارض بھی ہے،لہذا ساقط ہے۔اور ایک جواب صاحب ہدایہ نے دیا کہ لم یحمل الخبث کا معنی ہے کہ ناپاک ہوتا ہے،خبث برداشت نہیں کر سکتا۔امام شافعی فرماتے ہیں کہ دوسری روایت میں لاینجس آیا ہے دوسری روایت سے پیوند لگایا تو صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ لاینجس تھا تو امام شافعی نے کیوں نہیں لایا جب لاینجس صحیح تھا تو یہ گول مول لفظ کیوں لائے؟

جب امور خارجہ کا دخل ہوا تو امام صاحب سب سے آگے نکلتے ہیں۔

کثیر ماء وہ ہے جو جاری ہو یا ماء فی حکم الجاری ہو،امام شافعی کا استدلال محتمل ہو گیا صاحب ہدایہ والا معنی بھی ہو سکتا ہے تو قرینہ لگا کر لا ینجس بھی آیا،جواب امام صاحب کی جانب سے گزرا ہے۔

قلتین کی حدیث کے مقابلے میں آگے ایک حدیث آتی ہے لایبولن احدکم فی الماء الدائم،اصول نے یہ بتلایا ہے کہ امر کا اصلی معنیٰ فرضیت ہے اور قطعیت کے معارض آئے تو وجوب کے درجے میں آئے گا اور اس طرح نہی اصلی تحریم کے لیے ہے۔اور اگر نہی ایسی آئے کہ قطعی الثبوت ہے تو مکروہ تحریمی ہے اور قطعی الثبوت بھی نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔

لا یبولن نہی ہے،مبنی علی الفتحہ ہے،اصل میں نہی تحریمی ہے،نہی تنجیس ہے،اس نہی کی علت تنجیس ہے،یہ ماء دائم ماء کثیر نہیں ہے،ورنہ جاری اور فی حکم الجاری کا یہ حکم نہیں ہے۔

امام صاحبؒ نے رائے مبتلیٰ بہ پر چھوڑ دیا،دینیات میں ایک عادل ضابط کا قول ملزم ہے اور فاسق کے قول میں قاضی تحری کرے،اس کے بعد فیصلہ کرے تو فاسق کا قول معتبر ہے۔تحری کے بعد،مسلمان کا خبر دینا دلیل تحری ہے،تحری بڑی قوی دلیل ہے،مبتلیٰ بہ کی رائے بڑی مضبوط چیز ہے،مبتلیٰ بہ کی رائے فرائض ادا ہونے میں؛مثلا ایک آدمی نے تحری سے چار رکعت نماز پڑھی اگرچہ فی نفس الامر دو کیوں نہ ہو فرض ادا ہو گا۔

حدیث قلتین عدد کے اعتبار سے بھی مضطرب ہے اور متنا بھی مضطرب ہے۔باعتبار عدد یہ ہے کہ قلۃ کے بہت سارے معانی ہیں پہاڑ کی چوٹی،چھوٹی مشک،سدرۃ المنتہیٰ کے بیر کے برابر ہو وغیرہ۔

جب قلتین کے حدیث مخدوش ہوئی تو مبتلیٰ بہ پر مدار ہوا اور مبتلیٰ بہ میں سے ہر ایک کو اندازہ نہیں ہو سکتا تو امام صاحبؒ کے مذہب کے مطابق عشر فی عشر رکھا گیا تاکہ ہر ایک مسئلہ نکال سکے۔

لایبولن کی علت تنجیس فعلی ہے اور ماء دائم سے جاری پانی مراد نہیں، اور نہ وہ جو حکم جاری میں ہو ورنہ وقوع نجاست سے ناپاک نہیں ہوتا۔شوافع تاویل کرتے ہیں کہ قلتین مراد ہے اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ نہی سد ذرائع میں سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ کہ پیشاب کرتے کرتے سال بھر کے بعد اوصاف بدلینگے، لہٰذا پیشاب نہ کریں پھر کہیں جاکر تمہیں خود ضرورت نہ پڑے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَاءِ البَحْرِ أَنَّهُ طَهُورٌ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، ح، وحَدَّثَنَا الأَنْصَارِيُّ إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْنٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ سَلَمَةَ مِنْ آلِ ابْنِ الأَزْرَقِ، أَنَّ الْمُغِيرَةَ بْنَ أَبِي بُرْدَةَ وَهُوَ مِنْ بَنِي عَبْدِ الدَّارِ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ:

سَأَلَ رَجُلٌ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّا نَرْكَبُ البَحْرَ، وَنَحْمِلُ مَعَنَا القَلِيلَ مِنَ الْمَاءِ، فَإِنْ تَوَضَّأْنَا بِهِ عَطِشْنَا، أَفَنَتَوَضَّأُ مِنَ الْبَحْرِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ، الحِلُّ مَيْتَتُهُ.

صحابہ کرام نے ایک مسئلہ پوچھا تھا کہ دریا کا پانی حار اور یابس ہے بدن سے لگے تو خشک کر دیتا ہے جسم پھٹ جاتا ہے، صحابہ نے تین چیزیں پوچھیں تھیں بئر بضاعة، ماءفلوات اور سمندر کا پانی۔

الحل میتته: کا جواب سے کوئی دخل نہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ بحری چیزوں کے متعلق سوال کیوں کیا؟ جواب؛ ہر پاک مستلزم پاکی نہیں مرض کا بھی احتمال ہوتا ہے مضر ہونے کی حیثیت سے پوچھا۔اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ بر میں جتنی بھی مخلوقات ہیں ان سے دو حصے بحر میں ہیں اور دریائی ہر چیز کو حلال مانتے ہیں۔

میتة کی حرمت قرآن پاک سے ثابت ہے بحری بری کی قید نہیں ہے مگر اس حدیث میں میتات بحری کی حلت آئی ہے۔دوسرا اشکال یہ ہے کہ دو میتات جائز ہیں، احل لکم میتتان ای السمک والجراد[1]،یہ حدیث چاہتی ہے کہ دو

---

[1] - حدثنا أبو مصعب قال: حدثنا عبد الرحمن بن زيد بن أسلم، عن أبيه، عن عبد الله بن عمر، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: «أحلت لكم ميتتان ودمان، فأما الميتتان، فالحوت والجراد، وأما الدمان، فالكبد والطحال»[سنن ابن ماجه،باب الكبد والطحال (٢/ ١١٠٢)]حَدَّثَنَا أَبُو مُصْعَبٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالَ: "أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ: الْحُوتُ وَالْجَرَادُ"[سنن ابن ماجه، بَابُ صَيْدِ الْحِيتَانِ وَالْجَرَادِ (٤/ ٣٤٢)]

چیزیں حلال ہوں اس حدیث سے بھی معارض ہے۔والحل میتته والے{أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ} [1] سے بھی استدلال کرتے ہیں۔اب بعض علماء نے تطبیق دی ہے کہ حلال کے دو معنی ہیں حلت بمعنی طہارت اور ایک معنیٰ وہ ہے جو محرم کے مقابل میں ہے۔صید البحر کا جواب امام صاحبؒ دیتے ہیں فرمایا أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ کا معنیٰ یہ ہے کہ شکار حلال ہے جیسے کہ بر میں شیر ،ذئب وغیرہ کا بھی شکار کرتے ہیں۔یہ مصید ہیں ان کے مالک بن گئے شکار کو ملک لازم ہے،ہر شکار ماکول نہیں ہو سکتا،اس آیت سے کھانا پینا ثابت نہیں ہوتا،صید کا لازمی نتیجہ اکل نہیں ہے بلکہ ملک ہے۔

اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ جو چیزیں بری حرام ہیں وہ بحری بھی حرام ہیں بری پر بحری کا قیاس کیا ہے،کتابری حرام ہے بحری بھی حرام ہے،خنزیر بری حرام ہے تو بحری بھی حرام ہے۔امام شافعیؒ کی ایک دلیل یہی ہے اور ایک میں تعمیم کے قائل ہیں۔امام صاحبؒ فرماتے ہیں {وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ} [2] سے معلوم ہوتا ہے کہ بحری حرام چیزیں حرام ہیں۔آیت کا جواب آیت سے دیا ہے اور ایک جواب پہلے گزر گیا۔

الحل میتته سے دو میتتین مراد ہیں یعنی سمک اور جراد امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ان کا ثبوت کیسے ہو سکتا ہے تو کہا گیا کہ سمک اور جراد مذبوح نہیں اس لیے میته سے تعبیر کی گئی ہے۔اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ بذریعہ اجماع میتتان خارج ہیں۔اور بعض نے الحل سے طہارت مراد لیا ہے یہ معنیٰ اچھا بھی ہے کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سوال کی وجہ بھی معلوم تھی وجہ یہ ہے کہ بحر میں مردار اکثر مرتے ہیں صحابہ نے سمجھا کہ بحر ناپاک ہوا ہوگا آپ ﷺ نے فرمایا کہ بحر پاک ہے بحری جانوروں میں خون نہیں ہوتا،بعض چیزیں پاک ہیں مگر کھانا حرام ہے جیسے کہ مٹی پاک ہے اور کھانا حرام ہے تو یہ معنی کیا جائے تو سوال جواب کی ضرورت نہیں ہے وجہ سوال بھی خوب سمجھ میں آتی ہے۔

اہل الحدیث نے حدیثیں جمع کی ہیں،حدیثوں کو محفوظ کیا ہے،مگر معانی بیان کرنے میں فقہاء کو فوقیت حاصل ہے جیسے کہ حافظ قرآن کو بہت بڑا ثواب ہے مگر (ہر کوئی) معنیٰ نہیں سمجھتا۔اس جواب پر بعض اہل حدیث نے اعتراض کیا ہے الحل بمعنیٰ طہارت ہو جائے تو لفظ حل کا ذکر فضول ہو جاتا ہے۔

هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ پہلے لفظ طهور آیا پھر الحل- الحل سے طہور مراد لینا ٹھیک نہیں،پہلے طہور کا معنیٰ طاہر مطہر ہے اور الحل کا معنیٰ طاہر (غیر مطہر) کے ہے،وہ اور ہے یہ اور ہے۔

مسند أحمد، مسند عبد الله بن عمر رضي الله عنهما،رقم الحديث: ٥٧٢٣، (١٠/ ١٥)

١.-[المائدة: ٩٦]

٢-[الأعراف: ١٥٧]

بَابُ التَّشْدِيدِ فِي الْبَوْلِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، وَقُتَيْبَةُ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنِ الأَعْمَشِ، قَالَ: سَمِعْتُ مُجَاهِدًا يُحَدِّثُ، عَنْ طَاوُوسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى قَبْرَيْنِ، فَقَالَ: إِنَّهُمَا يُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ: أَمَّا هَذَا فَكَانَ لاَ يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ، وَأَمَّا هَذَا فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ.

پیشاب کے متعلق تین باب باندھے ہر ایک کا حکم علیحدہ ہے ایک پیشاب ماکول اللحم ہے ایک غیر ماکول اللحم کا پیشاب ہے اور ایک بچے کا پیشاب ہے۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ پیشاب مطلقاً نجس اور حرام ہے۔

اور جس حدیث سے (ماکول اللحم کے پیشاب کی) طہارت نکلی ہے جیسا کہ حدیث عرینیین پیش فرماتے ہیں، حنفیہ کا اس میں اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ تداوی کے لیے جائز ہے۔ اور امام محمدؒ کے ہاں مطلقا پاک ہے۔

امام صاحبؒ ان حدیثوں کا جواب دیتے ہیں کہ رسول اللہ کا گزر دو قبروں پر ہو اور ان کو عذاب دیا جاتا تھا اور ان میں سے ایک کا عذاب عدم تحرز من البول سے تھا، عذاب ترک واجب پر ہوتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ پیشاب بالغ کا تھا اور غیر ماکول اللحم کا ہے مگر بچے اور ماکول اللحم کے پیشاب کا ذکر نہیں ہے۔

پھر علماء نے جواب دیا کہ رسول پاک ﷺ نے ایک صحابی کا جنازہ پڑھا واپس آئے تو ان کی بیوی سے پوچھا تو بیوی نے جواب دیا کہ یہ بکریوں کے پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔[1]

---

[1] – یہ روایت تلاش بسیار کے باوجود کسی حدیث کی کتاب میں نہ مل سکی، صاحب نور الانوار ملاجیون رحمہ اللہ نے عام کے حکم کے بیان میں اس روایت کو ان الفاظ سے نقل کیا ہے: روى أنه عليه السلام لما فرغ من دفن صحابى صالح ابتلى بعذاب القبر جاء الى امرأته فسألها عن أعماله، فقالت كان يرعى الغنم ولا يتنزه من بوله، فحينئذ قال عليه السلام «اسْتَنْزِهُوا مِنَ الْبَوْلِ فَإِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ» اسی روایت کے تحت محشی لکھتے ہیں؛ رواه الحاكم وقال ہذا حديث صحيح، واتفق المحدثون على صحته كذا فى تنوير المنار(القمر) (نورالانوار المجلد الاول ،بحث بيان حكم العام، ص ۱۹۱-۱۹۲، مكتبه بشرى كراتشى باكستان ، الطبعة الاولى:۱۴۲۹ھ-۲۰۰۸ء)۔ علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ کی تقریر بخاری فیض الباری اور ترمذی کی شرح، العرف الشذي شرح سنن الترمذي میں لکھا ہے کہ نور الانور کے حاشیہ میں مستدرک حاکم کے حوالے سے اس روایت کا ذکر ہے جو ضعیف ہے چنانچہ فیض الباری میں لکھا ہے:

وما في حاشية «نور الأنوار» نقلا عن «مستدرك الحاكم» أن النبي صلى الله عليه وسلم لما فرغ من دفن سعد، وابتلي بعذاب القبر، جاء إلى امرأته فسألها عنه، قالت: كان يرعى غنما، ولا يستتر من بولها، فقال: «استنزهوا من البول»،

اور اسْتَنْزِهُوا مِنَ الْبَوْلِ بھی مستدل ہے۔[1]

بعض شوافع بچے کے پیشاب کے پاک ہونے کے قائل ہیں اور بعض نہیں، مگر دھونے کی ضرورت نہیں سمجھتے صبی کہ پیشاب کے بارے میں۔ مگر امام صاحب فرماتے ہیں کہ دھوناضروری ہے اور رش سے مراد غسل خفیف ہے اور اس کی نظیر پیش کرتے ہیں عورت حیض سے فارغ ہو تو خون کے اوپر ماء چھڑک دے اور اس جگہ پر شوافع بھی غسل کے معنیٰ میں لیتے ہیں۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ صبیہ اور صبی کے پیشاب کا دھوناضروری ہے اور فرق رسول اللہ ﷺ نے اس لیے فرمایاہے کہ عورتوں اور مردوں میں فرق یہ ہے عورتوں میں رطوبت زیادہ ہے بدبو زیادہ اور مردوں میں خشکی زیادہ اس لیے غسل کا فرق رکھا۔

فلم أجده في النسـخة المطبوعة ولا في القدر الموجود من النسـخة القلمية عندي، ولو ثبت لكان فصــلا في الباب، وسيأتي بعض الكلام في باب ما يقع من النجاسات ... إلخ.

[فيض الباري على صـحيح البخاري،باب ما جاء فى غســل البول (١/ ٤١٥) الناشــر: دار الكتب العلمية بيروت - لبنان،١٤٢٦ هـ - ٢٠٠٥ م]

اور العرف الشذی میں حضرت لکھتے ہیں:وأما ما ذكر في حاشـية نور الأنوار عن مسـتدرك الحاكم قصـة معاذ أنه كان يرعى الشياه فسنده ضعيف فلا يصح حجة لنا.

[العرف الشـذي شـرح سـنن الترمذي،باب ما جاء في بول ما يؤكل لحمه (١/ ١٠٩) الناشـر: دار التراث العربي -بيروت، لبنان،١٤٢٥ هـ - ٢٠٠٤ م]

نیز مفتی محمد تقی عثانی صاحب دامت برکاتہم درس ترمذی میں فرماتے ہیں کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے الکوکب الدری میں اس مقام پر فرمایا کہ اس حدیث کے بعض طرق میں یہ تصریح ہے کہ جب ان کی اہلیہ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ مویشی چرایا کرتے تھے اور ان کے ابوال سے خاطر خواہ تحرز نہیں کرتے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات کے واقعہ میں ان کی اہلیہ سے پوچھنے کا یہ قصہ احقر کو حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ملا، لیکن حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے اسے بڑے وثوق کے ساتھ نقل کیا ہے، اگر یہ واقعہ ثابت ہو تو وہ زیر بحث مسئلہ میں نص صریح کا درجہ رکھتا ہے۔[بحوالہ درس ترمذی، جلد ا ص ۲۹۰](م-ض)

[1] - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْبَاقِي بْنُ قَانِعٍ , نا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ صَالِحٍ السَّمَرْقَنْدِيُّ , نا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ السَّمَّانُ الْبَصْرِيُّ , نا أَزْهَرُ بْنُ سَعْدٍ السَّمَّانُ , عَنِ ابْنِ عَوْنٍ , عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ , عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ , أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «اسْتَنْزِهُوا مِنَ الْبَوْلِ فَإِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ». الصَّوَابُ مُرْسَلٌ.[سنن الدارقطني، بَابُ نَجَاسَةِ الْبَوْلِ وَالْأَمْرِ بِالتَّنَزُّهِ مِنْهُ وَالْحُكْمِ فِي بَوْلِ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ (١/ ٢٣٢)الناشر: مؤسسة الرسالة،بيروت،١٤٢٤ هـ - ٢٠٠٤ م]

اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ الضروراة تبیح المحذورات لڑکوں کے ساتھ محبت زیادہ ہوتی ہے لڑکوں کو ہر ایک شخص اُٹھاتا ہے لڑکیوں کو کوئی نہیں اُٹھاتامن الطوافین میں داخل ہے۔[1]

اور ایک جواب اور دیا گیا ہے کہ لڑکوں کا منفذ تنگ ہے نجاست نہیں پھیلتی اور لڑکیوں کا منفذ وسیع ہے نجاست پھیلنے کا خطرہ ہے باقی استسقیٰ کے مریض کو پیشاب ابل اور لبن مفید ہے (جن کے لیے یہ تجویز کیا گیا تھا انھوں یعنی) عرینین نے بعد میں غداری کی، رسول پاک ﷺ نے ان کی آنکھیں نکالنے کا حکم دیا، پانی بند کر دیا یہاں تک کہ زمین چاٹتے تھے۔

اس حدیث کا جواب دیتے ہیں کہ حکم منسوخ ہے دلیل یہ ہے کہ آپ نے مثلہ کر دیا تھا یعنی آنکھوں کا نکالنا، کان کاٹنا اور بعد میں مثلہ سے منع فرمایا، لا تمثلوا۔[2]

استنزهوا من البول عام ہے ماكول اللحم اور غير ماكول اللحم دونوں کا شامل ہے اور اسی طرح ان کو آگ کا عذاب دیا تھا اور پھر بعد میں منع فرمایا لا تعذبوا بالنار[3]، دوسرا جواب یہ ہے کہ بعض چیزیں حرام ہیں مگر ضرورت کے وقت جائز ہیں {فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ}[4]

۱- من الطوافین میں داخل ہے۔ اس جملے سے حضرت کا اشارہ فقہاء کرام کے ایک اہم اصول دفع حرج کی طرف ہے کہ حرج ہونے کی وجہ سے بھی بہت سے احکامات میں گنجائش ہوتی ہے، چنانچہ فقہاء نے گھر میں رہنے والے جانوروں کے جوٹھے پر نجاست کا حکم نہیں لگایا بلکہ اسے معاف قرار دیا اور اس کی دلیل اس حدیث کو قرار دیا جس میں آپ ﷺ نے بلی کے جوٹھے کے بارے میں فرمایا: إنها ليست بنجس، إنما هي من الطوافين عليكم أو الطوافات کہ یہ نجس نہیں ہے کیونکہ یہ طواف یعنی بار بار آنے جانے والی ہے۔ من الطوافین سے حضرت رحمہ اللہ نے اسی کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے بتایا کہ چھوٹے بچے کے پیشاب کو غلیظ نجاست قرار دینے میں حرج ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بچے کو ہر کوئی اٹھاتا ہے اور بچہ بار بار پیشاب بھی کرتا ہے اگر اس کے پیشاب کو نجاست غلیظہ کی طرح نجس قرار دیں تو بار بار اہتمام سے دھونے میں حرج ہو گا اس لیے شریعت نے اس کی گنجائش دی اور غسل خفیف کو کافی قرار دیا، واللہ اعلم۔ (م-ض)

٢ حدثنا عفان، حدثنا وهيب، حدثنا عطاء بن السائب، عن يعلى بن مرة الثقفي، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: " قال الله: لا تمثلوا بعبادي "[مسند أحمد،حديث يعلى بن مرة ى (٢٩/ ١٠٩) الناشر: مؤسسة الرسالة،١٤٢١ هـ - ٢٠٠١ م]

٢ - حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تُعَذِّبُوا بِالنَّارِ، فَإِنَّهُ لَا يُعَذِّبُ بِالنَّارِ إِلَّا رَبُّهَا»[مصنف ابن أبي شيبة، مَنْ نَهَى عَنِ التَّحْرِيقِ، بِالنَّارِ(٦/ ٤٨٥) الناشر: مكتبة الرشد - الرياض،١٤٠٩]

3- [البقرة: ١٧٣]

تداوی بالمحرم فقہی مسئلہ ہے اگر کوئی مسلمان حاذق طبیب یہ کہہ دے کہ اس کا علاج خنزیر کا گوشت ہے تو جائز ہے، مگر کہہ دیا جائے گا کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کو وحی سے معلوم ہوا تھا اب کس کو وحی آتی ہے؟

مثلۃ (حق اللہ ہے اور) حق اللہ میں اجازت دینے سے جواز نہیں آتا اگر زوج بیوی کو زنا کا حکم دے تو حلال نہیں ہوگا اور حق العبد میں اجازت دینے سے جواز آتا ہے مثلاً کہ ایک آدمی اپنا مال کسی کو دیدے تو حلال ہوگا۔

وما یعذبان فی کبیر:

ایک معنیٰ ہے کہ ان کو گناہ کبیرہ سے عذاب نہیں تھا۔اور دوسرا معنیٰ ہے کہ وہ گناہ کوئی بڑا اور کبیرہ نہیں تھا کہ اس سے بچ نہ سکے۔گناہ کبیرہ وہ ہے کہ اس تک حرکات ختم ہو جائیں جب چور چوری کرتا ہے تو مال کے ملنے کے بعد حرکت ختم ہوتی ہے وسائل ختم ہوتے ہیں۔ منصور اور اعمش ہم سبق ہیں، اعمش کو منصور پر ترجیح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي نَضْحِ بَوْلِ الغُلاَمِ قَبْلَ أَنْ يُطْعَمَ

بَابُ مَا جَاءَ فِي بَوْلِ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ

حَدَّثَنَا الحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الزَّعْفَرَانِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ، وَقَتَادَةُ، وَثَابِتٌ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ نَاسًا مِنْ عُرَيْنَةَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ، فَاجْتَوَوْهَا، فَبَعَثَهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِبِلِ الصَّدَقَةِ، وَقَالَ: اشْرَبُوا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا، فَقَتَلُوا رَاعِيَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاسْتَاقُوا الإِبِلَ، وَارْتَدُّوا عَنِ الإِسْلاَمِ، فَأُتِيَ بِهِمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ مِنْ خِلاَفٍ، وَسَمَرَ أَعْيُنَهُمْ، وَأَلْقَاهُمْ بِالحَرَّةِ، قَالَ أَنَسٌ: فَكُنْتُ أَرَى أَحَدَهُمْ يَكُدُّ الأَرْضَ بِفِيهِ، حَتَّى مَاتُوا. وَرُبَّمَا قَالَ حَمَّادٌ: يَكْدُمُ الأَرْضَ بِفِيهِ حَتَّى مَاتُوا.

فاقطع أيديهم: یہ قطاع الطریق کا حکم ہے اور یہ بھی قطاع طریق تھے۔

بالحراء: حرمین مکہ شریف میں دو جگہیں ہیں عرب میں اکثر پتھر کالے ہیں۔

اس سزا میں علماء کا خلاف ہے کہ آیا اب یہ سزا جائز ہے یا نہیں، بعض نے اس کو قصاص کہہ دیا اور بعض نے فرمایا کہ یہ مثلہ ہے اور مثلہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے منع فرمایا ہے۔اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے صحابہ سے فرمایا تھا کہ جب غزاوات پر جاتے تھے لا تمثلوا[1]، لہذا یہ حدیث منسوخ ہے۔

[1]- اس کی تخریج سابقہ بحث میں گزر چکی ہے۔(م-ض)

بعض علماء فرماتے ہیں کہ عذاب بالنار سے منع فرمایا ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا یہ فعل تعزیراً ہے کیونکہ بعض سزائیں قاضی اور اس کی رائے پر محمول ہیں مگر حدود میں کمی زیادتی منع ہے۔

باب التعزیر فقہ کا علیحدہ باب ہے کہ جس معصیت کی حد مقرر نہ ہو تو وہاں تعزیر ہے، اس لیے بعض شریف ہوتے ہیں بس تھوڑی سزا کافی ہوتی ہے اور بعض تند مزاج ہوتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ضروری ہے ہمارے فقہاء فرماتے ہیں کہ شرفاء اور غیر شرفاء میں بڑا فرق ہے، مثلاً بعض کو کچہری میں بلانا ہی سزا ہے پھر چھوڑ دیتے ہیں اور بعض بداخلاق ہوتے ہیں تو ان کی طرف بادشاہ آنکھیں نکال کر دیکھیں تو بھی کافی ہے اور بعض جوتوں سے بھی ٹھیک نہیں ہوتے۔

ایک دفعہ تین آدمی پکڑے گئے تھے ایک کو بادشاہ نے سخت نگاہ سے دیکھا اور چھوڑ دیا اور دوسرے کو زبان سے برا بھلا بھی کہا اور تیسرے کو تین سال قید کا حکم سنایا، بادشاہ سے وزراء نے اعتراض کیا تو وزراء کو کہا کہ نص تو نہیں تھا لہٰذا میں نے ذوق سے فیصلہ کیا ہے سمجھا نہیں سکتا مگر مشاہدہ کرو، تو واقعہ میں مشاہدہ کیا گیا تو جس کی طرف گھور کر دیکھا تھا وہ مر گیا تھا، اور زبان سے جس کو برا بھلا کہا تھا اس پر بخار چڑھ گیا تھا، اور تین سالہ سزا والا بازار میں کھڑا تھا کہہ رہا تھا اس بزاخفش کو ماردوں گا تاکہ تین سال اور سزا ملے۔ یہ اخلاق کا تفاوت ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ حدود کے نزول سے قبل کا یہ حکم ہے۔

قطاع طریق کے مختلف حکم ہیں، بعض صرف ڈاکہ ڈالتے ہیں، اور بعض مال لیتے ہیں اور آدمی چھوڑ دیتے ہیں اور بعض مال لینے کے بعد قتل بھی کر دیتے ہیں، اس انداز سے اللہ تعالیٰ نے سزا رکھی ہے۔[1]

امام محمدؒ اور امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں ماکول اللحم کا پیشاب پاک اور حلال ہے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں نجس ہے تداوی جائز ہے۔ اور امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ تداوی بھی جائز نہیں ہے، نجس بھی ہے اور حرام بھی ہے، فرماتے ہیں کہ شفاء حرام میں نہیں ہے، فرمایا گیا کہ ان کو بھی شفاء ہوئی، فرمایا شفاء اور ہے صحت اور ہے ان کو شفاء نہیں ہوئی صحت ہوئی، شفاء کا معنیٰ ہے برکاتِ رحمت خدا، اور حرام میں یہ بات نہیں ہے۔

اور بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان حاذق طبیب کہہ دے کہ شفاء خمر میں ہے تو بعض جواز کے قائل ہیں، باقی ان کے بارے میں امام صاحب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کو وحی سے بتلایا گیا، اوروں پر وحی نہیں آتی اس لیے جائز نہیں۔ اور ایک روایت میں امام صاحب فرماتے ہیں ضرورت کے وقت جائز ہے اور اس روایت کو علماء نے ترجیح دی۔

---

[1] - إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ [المائدة: ٣٣]

بَابُ مَاجَاءَفِي الوُضُوءِمِنَ الرِّيحِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، وَهَنَّادٌ، قَالاَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لاَ وُضُوءَ إِلاَّ مِنْ صَوْتٍ أَوْ رِيحٍ.

ایک مسئلہ آئے گا کہ وضو نہیں مگر صرف ریح سے، اس حصر پر اشکال ہے۔

اور قبلِ نساء اور رجال سے ریح نکلے تو وضو ہے یا نہیں؟ تو بعض علماء فرماتے ہیں کہ خارج معتاد مخرج معتاد سے نکلے تو وضو لازم ہے یہ قید امام مالکؒ نے لگائی ہے مخرج معتاد نہ ہو تو ان کے ہاں وضو نہیں ٹوٹتا جیسے کہ منہ سے خون نکلا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ خارج میں تعمیم ہے معتاد ہو یا غیر معتاد ہو وضوء ٹوٹے گا، لہٰذا ان کے ہاں منہ سے خون نکلا تو وضو ٹوٹے گا اور مخرج معتاد کے شوافع بھی قائل ہیں۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ نص میں جو علت موجود ہوتی ہے اس کی تین قسمیں ہیں، علت شخصی جیسے کہ زید وضوء کرے، یہ حضرات شخصی علت کو علت مانتے ہیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ علت شخصی کا اعتبار نہیں نوع کا اعتبار ہے جیسا کہ ایک صحابی نے رمضان میں گناہ کیا تھا، مگر حکم شخصی تھا اور اس کو نوعی حکم پر محمول کر دیا۔[1]

شوافع بھی اس کے قائل ہیں کہ جو بھی رمضان میں جماع کرے اس کا یہ حکم ہے۔ اور ایک حکم جنسی ہوتا ہے۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت[2] میں علت جنسی ہے اس قسم کا حکم بسا اوقات شوافع اور مالکیہ بھی مانتے ہیں جیسے کہ جماع والی صورت اور بعض میں علت شخصیہ لیتے ہیں، جیسے کہ کسی نے جماع کیا تو اس کا یہ حکم ہے مگر اکل وشرب میں یہ حکم نہیں۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اکل وشرب میں بھی کفارہ لازم آئے گا جیسے کہ جماع سے لازم آئے گا اس کو تخریج مناط، تحقیق مناط اور تنقیح مناط کہتے ہیں۔

---

١ - حدثنا عثمان بن أبي شيبة، حدثنا جرير، عن منصور، عن الزهري، عن حميد بن عبد الرحمن، عن أبي هريرة رضي الله عنه: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: إن الآخر وقع على امرأته في رمضان، فقال: «أتجد ما تحرر رقبة؟» قال: لا، قال: «فتستطيع أن تصوم شهرين متتابعين؟»، قال: لا، قال: «أفتجد ما تطعم به ستين مسكينا؟» قال: لا، قال: فأتي النبي صلى الله عليه وسلم [ص:٣٣] بعرق فيه تمر، - وهو الزبيل -، قال: «أطعم هذا عنك» قال: على أحوج منا، ما بين لابتيها أهل بيت أحوج منا، قال: «فأطعمه أهلك»[صحيح البخاري،باب المجامع في رمضان، هل يطعم أهله من الكفارة إذا كانوا محاويج (٣/ ٣٢)]

٢ -یہ آیت مراد ہے{ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ }

تنقیح مناط جیسے کہ ایک درخت کو کاٹ چھانٹ کر صاف کر دیا جائے۔ اور ایک تخریج مناط ہے مثلاً قرآن میں سزا موجود ہے علت معلوم نہیں تو مجتہدین اس علت کو نکالتے ہیں اب آیت میں تخریج مناط نہیں ہے بلکہ تنقیح مناط ہے کہ ما خرج من السبیلین کو دخل نہیں بلکہ خروج نجاست من بدن المصلی ہے، یعنی خصوصیات کو کاٹ چھانٹ کر مطلق خروج نجاست من بدن المصلی رکھا۔ امام شافعیؒ تنقیح کرتے کرتے نوع تک آ گئے اور اس سے آگے نہیں گئے۔

مگر امام صاحبؒ علت مؤثرہ کو دیکھتے ہیں اس کا اعتبار کرتے ہیں بمعنیٰ جو علت نص میں موجود ہے اس کی تصدیق دوسری آیت سے ہوئی کہ اس کی خصوصیات کو دخل ہے تو ٹھیک یہ علت مؤثرہ ہے اور اگر معلوم ہو جائے کہ اس کی خصوصیات کو کوئی دخل نہیں تو نوع کو بھی دخل نہیں تو وہ علت مؤثرہ نہیں بلکہ وہ متعدی علت ہو گی، جیسے کہ قئی اور خروج دم کے لیے حدیث موجود ہے تو معلوم ہوا کہ علت مؤثرہ نہیں ہے یعنی فصح لدخول الفاء ہےلولاہ لامتنع نہیں ہے یعنی دوسری نصوص سے بھی معلوم ہوا کہ یہ علت موثر محصورہ نہیں ہے، نوع تک ایک اعتبار سے مالکیہ بھی گئے ہیں کیونکہ یہ آیت صحابہ کرام کے بارے میں آئی تھی انہوں نے تعمیم کر دی کہ ہر نسان کے لیے یہ حکم ہے۔

قیاس کا دروازہ بند ہوتا ہے دیکھنا ہوتا ہے سوچ کر حکم لگانا پڑتا ہے، علت نوعیہ کا معمول حکم نوعی ہوتا ہے یا جنسی ہوتا ہے۔ امام صاحبؒ نے اس آیت { جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ }[1] میں علت جنسی پر محمول کیا ہے۔

قیاس کے پانچ مباحث ہیں، ماہیت قیاس، شرائط قیاس، ارکان قیاس، دفع قیاس، امام شافعی کے قیاس کو رفع کرو اور پھر اپنا قیاس وہاں پر رکھو۔ آیت میں خارج معتاد اور مخرج معتاد دونوں لغات ہیں، بے وضو صوت وریح کے ساتھ مختص نہیں ہے مگر یہاں تخصیص ہے۔ **جواب:** استغراق کی دو قسمیں ہیں اضافی حقیقی اور اسی طرح تخصیص کی بھی دو قسمیں ہیں حقیقی اور اضافی، صوت وریح آنکھ سے نظر نہیں آتے ہیں غیر مرئی ہوتے ہیں اسی طرح ریح کا احساس قوت شامہ اور ادراک کرتی ہے اور صوت کا قوت سامعہ ادراک کرتی ہے، مطلب یہ ہے کہ یقین کا ازالہ شک سے نہیں ہوتا ہے صرف شبہ ہوا کہ ہوا نکلی ہے یقینی نہیں تو یہ موجب حرمت نہیں۔ تو عرض یہ ہے کہ یقین کا دافع شک نہیں ہو سکتا اور یقین ریح اور صوت سے آتا ہے۔ فلا یخرج: نماز کو نہ چھوڑے۔ حتی اذا احدث: یقینی حدث ہو، فرج امرأۃ؛ چونکہ ماخرج من السبیلین ہے لہٰذا وضو ٹوٹے گا عند الشافعی اور امام صاحب کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے وضو ٹوٹتا ہے اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ گندی جگہ سے ہوا نہیں نکلی ہے یہ ڈکار کی طرح ہے۔

۱- [النساء: ۴۳]

بَابُ الوُضُوءِ مِنَ النَّوْمِ

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُوسَى، وَهَنَّادٌ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْمُحَارِبِيُّ، الْمَعْنَى وَاحِدٌ، قَالُوا: حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلاَمِ بْنُ حَرْبٍ، عَنْ أَبِي خَالِدٍ الدَّالاَنِيِّ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي العَالِيَةِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَامَ وَهُوَ سَاجِدٌ، حَتَّى غَطَّ أَوْ نَفَخَ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّكَ قَدْ نِمْتَ، قَالَ: إِنَّ الوُضُوءَ لاَ يَجِبُ إِلاَّ عَلَى مَنْ نَامَ مُضْطَجِعًا، فَإِنَّهُ إِذَا اضْطَجَعَ اسْتَرْخَتْ مَفَاصِلُهُ.

بعض چیزیں خفی ہوتی ہیں اور اس کے قائمقام ظاہری چیز رکھ دی جاتی ہے جیسے کہ ایمان ہے وہ کسی کو معلوم نہیں اس لیے زبان سے کہہ دیناضروری ہے اسی طرح نوم میں معلوم نہیں ہوتا کہ ریح نکلی ہے یا نہیں لہٰذا بعض علماء نے نوم من حیث ھی ھی ناقض ماناہے۔

اور بعض نے فرمایا کہ نوم من حیث ھی ھی ناقض نہیں ہے جب تک الیتین زمین پر ہیں تو خروج کا احتمال نہیں ہے اب استرخاء مفاصل ہو جائے مثلاً تکیہ لگا کر لیٹ جائے یامضطجعا لیٹے (تو وضو ٹوٹ جائے گا)۔

اور فرماتے ہیں کہ یقظہ (بیداری) وکاء الاست ہے[1]۔

معلوم ہوا کہ نوم سبب بعید ہے اور سبب قریب استرخاء ہے، البتہ رکوع و سجود میں وضوء نہیں ٹوٹتا، یہ صحابہ کے زمانہ میں تھا وہ غذا کم کھاتے تھے اب صرف قیام سے وضوء نہیں ٹوٹے گا رکوع سجود میں وضوء ٹوٹے گا۔

بَابُ الوُضُوءِ مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الوُضُوءُ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ، وَلَوْ مِنْ ثَوْرِ أَقِطٍ، قَالَ: فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ: يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، أَنَتَوَضَّأُ مِنَ الدُّهْنِ؟ أَنَتَوَضَّأُ مِنَ الحَمِيمِ؟ قَالَ: فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: يَا ابْنَ أَخِي، إِذَا سَمِعْتَ حَدِيثًا عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلاَ تَضْرِبْ لَهُ مَثَلاً.

۱- معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ دونوں آنکھیں سرین کا بندھن ہیں جب وہ (دونوں آنکھیں) سو جائیں تو بندھن ڈھیلا پڑ جاتا ہے۔

ان العَيْنَين وِكَاء السَّه، فإذا نَامَت العَينان اسْتُطْلِقَ الوِكَاء (رواه أحمد والدارمي)

وروي عنه - صلى الله عليه وسلم - أنه قال «العينان وكاء الاست فإذا نامت العينان استطلق الوكاء» أشار إلى كون النوم حدثا حيث جعله علة استطلاق الوكاء. [بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ،فصل بيان ما ينقض الوضوء (١/ ٣١) الناشر: دار الكتب العلمية، ١٤٠٦هـ - ١٩٨٦م]

باب في ترك الوضوء مما مست النار

حدثنا ابن أبي عمر، قال: حدثنا سفيان بن عيينة، قال: حدثنا عبد الله بن محمد بن عقيل، سمع جابرا، قال سفيان: وحدثنا محمد بن المنكدر، عن جابر قال: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم وأنا معه، فدخل على امرأة من الأنصار، فذبحت له شاة، فأكل، وأتته بقناع من رطب فأكل منه، ثم توضأ للظهر وصلى، ثم انصرف، فأتته بعلالة من علالة الشاة، فأكل، ثم صلى العصر ولم يتوضأ.

تین باتیں ہیں کہ وضوء ماخرج من السبیلین سے ٹوٹتا ہے مادخل سے نہیں۔ لیکن تین جزئی احادیث معارض ہیں ایک مامست النار روٹی پکی ہوئی کسی نے کھائی یاپنیر کھایاتو آکل پر وضوءلازم ہے۔

دوسرا مسئلہ مس ذکر کا ہے، اس سے وضوءٹوٹتا ہے یا نہیں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مس ذکر سے وضوٹوٹتا ہے اور ایک حدیث طلق رضی اللہ عنہ سے ہے کہ وضوء نہیں ٹوٹتا اس لیے کہ ذکر جسم کا ٹکڑا ہے اور جیسے کہ پیر پیٹ کو ہاتھ لگائے تو وضوء نہیں ٹوٹتا۔

تیسرا مسئلہ ہے مس مرأۃ کا کہ عورت کو ہاتھ لگایا تو ناقض وضو ہے یا نہیں؟ شوافع فرماتے ہیں کہ وضو ٹوٹتا ہے ہمارے ہاں نہیں ٹوٹتا یہ تین مسائل ہوئے۔ امام صاحب کے نزدیک ان تینوں مسائل میں وضو نہیں ٹوٹتا، جن حدیثوں میں ناقض وضوء ہونا مذکور ہے یہ ابتداء اسلام میں تھا اب منسوخ ہے ایک جواب نسخ کا ہے۔ دوسرا جواب مامست النار کے اکل سے وضو مستحب ہے تو نسخ کا قول صحیح نہیں ہے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ وضو کے قائل ہیں حدیث پیش کی ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے انھوں نے رد کر دیا۔ فرمایا(کیا) "ماء حمیم" سے وضوٹوٹے گا؟ اور بعض نے فرمایا کہ کیا تیل سے وضوٹوٹے گا۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی غرض یہ ہے کہ وضو کرنا مستحب ہے واجب نہیں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جب حدیث سنی تو اس کے خلاف چیزیں پیش مت کرو، نقل پر عمل کرو!۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نقل عقل کے خلاف نہ ہو اور اگر خلاف ہوا تو وہ مؤول ہے یا متروک ہے۔ بعض علماء ثابت کرتے ہیں کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے گوشت کھایا اور وضو نہیں فرمایا، معلوم ہوا کہ منسوخ ہے۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ شہوت بطن اور شہوت فرج کا علاج صوم سے فرمایا، کھانے پینے کو چھوڑ دے تو انبعاث یعنی خیال نہیں ہوتا۔ مستحب کیوں ہے کہتے ہیں کہ پکی ہوئی چیز کھانے سے لذت آتی ہے اور لذت مستلزم ہے شہوت بطن کو، انسان کی زندگی میں سادگی نہ رہی، تکلفات کر دیا، اورزیادہ کھانے سے شہوت فرج پیدا ہوتی ہے، شریعت میں اکل لذیذ جرم[ی] ہے، اس پر شریعت نے کنٹرول کیا۔

ی- ایسا بے اعتدال اکل لذیذ جو مفضی الی الجرم ہو جائے۔(م-ض)

حرارت گرمی سے آتی ہے اور برودت وضوء سے آتی ہے اور وضوء فرجین کا علاج ہے، کھانے سے وضوء نہیں ٹوٹتا مگر شہوتین کے لیے سبب بعید ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس آدمی کو غصہ آئے تو زمین پر لیٹ جائے، کھڑا ہو تو بیٹھ جائے یا وضو کرے تاکہ غصہ ختم ہو جائے اور اسی طرح کھانے سے حرارت پیدا ہوتی ہے اور وضو سے اس کو ختم کر دیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نار غضب الٰہی کا سبب ہے لہذا وضو کرے، اور بعض کہتے ہیں کہ شیطان ناری ہے، ناری سے تلبس ہو املائکہ سے دوری ہوئی اب اس تعلق کو کم کرنے کے لیے وضو کرے اور ملائکہ سے تو تعلق خود بخود بڑھے گا۔

وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا[1]

مترفین اور خوشحال لوگوں کا تعلق شیطان سے ہوتا ہے کیونکہ یہ کھاتے پیتے بہت ہیں۔

اور اب مس ذکر کے بارے میں طلق اور بسرۃ میں تعارض ہو گیا[2]، اذا تعارضا تساقطا، اب قیاس کی طرف رجوع کریں گے اور مس ذکر سے خروج کسی چیز کا نہیں ہے لہذا وضو نہیں ہے۔

اور بعض فرماتے ہیں کہ مس ذکر سے حرارت پیدا ہوتی ہے اور یہ مفضی الی الاشتہاء ہے لہذا وضو کرے تاکہ انتشار ختم ہو جائے یعنی مس جو مفضی الی الانتشار ہو تو وضو ہے اور بعض نے ذکر کو کنایہ پیشاب سے لیا اور بعض نے کہا کہ یہ مبادی وطی ہے اور وضو کرنا سدّ باب ہے جیسا کہ خمر سے منع فرمایا اور پھر بعد میں ظروف کے توڑنے کا حکم دیا، پھر صحابہ نے عرض کیا کہ ہمارے ہاں برتن نہیں ہے صرف یہی ہیں، فرمایا برتن مت توڑو میں نے اس لیے کہا تھا کہ شرابی برتن دیکھ کر مبتلاء نہ ہو جائے معلوم ہوا کہ اب یہ احتمال نہیں رہا اسی طرح مس ذکر مبادی وطی ہے۔

اور بعض فرماتے ہیں کہ مس ذکر علی سبیل الاستلذاذ مراد ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بسرۃ ضعیف ہے، کہتے ہیں کہ کام مردوں کا ہے اور روایت عورت کرتی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ مس ذکر کثیر الوقوع للرجال ہے مگر یہ روایت نہیں کرتے اور اب ترجیح مرد کی حدیث کو ہے۔

---

١ - [الإسراء: ١٦]

٢- یہ دونوں روایات آئندہ آنے والے دو ابواب میں مذکور ہیں، حضرت بسرۃ کی روایت باب الوضوء من مس الذكر میں ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے، عن بسرة بنت صفوان، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من مس ذكره فلا يصل حتى يتوضأ، جبکہ حضرت طلق کی روایت اس سے اگلے باب، باب ترك الوضوء من مس الذكر میں ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے، عن قيس بن طلق بن علي الحنفي، عن أبيه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: وهل هو إلا مضغة منه؟ أو بضعة منه؟۔(م-ض)

اور بعض فرماتے ہیں کہ اس سے مراد استنجاء ہے کہ استنجاء میں استنجاء بالیمین نہ کرے۔ اور بعض نے معنیٰ یہ فرمایا ہے کہ مس ذکر کے بعد مفعول کا ذکر نہیں ہے اصل میں یہ ہے مس ذکرہ بشیئ آخر اور شیٔ آخر فرج بھی ہے اس وقت وضو لازم ہوگا اور یہ مس ذکر مبادی سے ہے جیسا کہ حق تعالیٰ شانہ نے پہلے سے سدّباب کے لیے فرمایا کہ

{ قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ }[1]

سبب کو بند کر دیا، یا مس ذکر سے وہ مراد ہے کہ جس سے کچھ نکلے۔

دوسرا مسئلہ مس مرأۃ ہے؛ شوافع فرماتے ہیں کہ مس مرأۃ سے وضو ٹوٹتا ہے اور مستدل ان کا آیت ہے، آیت میں آیا ہے، {أَوْلَامَسْتُمُ النِّسَاءَ}[2] سے استدلال کرتے ہیں اور آیت حدیث کے معارض ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بعض نساء سے تقبیل کرتے تھے اور وضو نہیں فرماتے تھے[3]، شوافع اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں۔

اب حنفیہ آیت کا جواب دیتے ہیں کہ آیت میں ایک مس ہے اور ایک لمس ہے، ملامست باب مفاعلت سے ہے، امام صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن میں مس جماع کے معنیٰ میں آیا ہے، مطلقہ غیر مدخول بہا پر عدت بھی نہیں ہے اور لمس سے مس مراد ہے جتنے حروف بڑھتے ہیں اتنے معنیٰ میں بھی زیادتی ہوتی ہے، لہٰذا امام صاحب فرماتے ہیں کہ ملامست یعنی جماع ہے مطلق مس مراد نہیں ہے۔

---

١ -[النور: ٣٠]

٢ [المائدة: ٦]

٣ أخبرنا محمد بن المثنى، عن يحيى بن سعيد، عن سفيان قال: أخبرني أبو روق، عن إبراهيم التيمي، عن عائشة رضي الله عنها: «أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يقبل بعض أزواجه، ثم يصلي ولا يتوضأ»[سنن النسائي،ترك الوضوء من القبلة(١/ ١٠٤) الناشر: مكتب المطبوعات الإسلامية – حلب،١٤٠٦ – ١٩٨٦]

حدثنا عثمان بن جعفر بن محمد بن اللبان , نا محمد بن الحجاج , نا أبو بكر بن عياش , ح حدثنا الحسن بن أحمد بن صالح , نا علي بن إسماعيل بن أبي النجم بالرافقة , ثنا إسماعيل بن موسى , نا أبو بكر بن عياش , عن الأعمش , عن حبيب , عن عروة , عن عائشة , قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم «يتوضأ ثم يقبل ثم يصلي ولا يتوضأ». لفظهما واحد. [سنن الدارقطني،باب صفة ما ينقض الوضوء وما روي في الملامسة والقبلة (١/ ٢٥٣)، الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت – لبنان،الطبعة: الأولى، ١٤٢٤ هـ - ٢٠٠٤ م]

عبداللہ بن عباس نے اس لمس کا معنیٰ جماع سے کیا ہے اور اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سوئی ہوئی ہوتی تھیں اور رسول اللہ ﷺ نماز پڑھتے تھے جب ان کے پاؤں پر ہاتھ لگ جاتا تو ہٹا دیتے مگر نماز نہیں ٹوٹتی۔[1]

بَابُ الوُضُوءِ مِنْ لُحُومِ الإِبِلِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنِ البَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الوُضُوءِ مِنْ لُحُومِ الإِبِلِ؟ فَقَالَ: تَوَضَّئُوا مِنْهَا، وَسُئِلَ عَنِ الوُضُوءِ مِنْ لُحُومِ الغَنَمِ؟ فَقَالَ: لاَ تَتَوَضَّئُوا مِنْهَا.

مطلق مما مست النار سے وضوء منسوخ ہے مگر اونٹ کے گوشت کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ وضو ہے اور بعض ائمہ کا یہی خیال ہے۔ اشکال یہ ہے کہ آپ نے اونٹ کو کیوں خاص کیا؟

بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ قیاس کو دخل نہیں ہے اور امام صاحب فرماتے ہیں کہ مطلق مما مست النار سے وضو منسوخ ہے چاہے لحم ابل کیوں نہ ہو وضو شرعی وجوبا منسوخ ہے ہاں استحباباً جائز ہے۔

یا وضو لغوی مراد ہے کہ ہاتھ منہ دھولے یہ کافی ہے مگر تخصیص خاص وجہ سے ہے کہ اونٹ کے گوشت اور لبن میں چربی بڑی سخت ہوتی ہے اور گوشت میں بدبو بھی زیادہ ہوتی ہے منہ صاف نہیں رہتا۔

نوم انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) ناقض وضو ہے یا نہیں؟

ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ اس زمانے میں کہ نوم انبیاء ناقض وضوء ہے یا نہیں بعض احادیث سے یہ بات نکلتی ہے کہ نوم انبیاء ناقض وضو نہیں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سامنے تھے آپ ﷺ سو کر اُٹھے نماز پڑھی عبداللہ نے پوچھا کہ آپ سو گئے تھے آپ نے فرمایا میری آنکھ سوتی ہے مگر دل بیدار ہے۔[2]

---

[1] حدثنا إسماعيل، قال: حدثني مالك، عن أبي النضر مولى عمر بن عبيد الله، عن أبي سلمة بن عبد الرحمن، عن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم، أنها قالت: «كنت أنام بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجلاي، في قبلته فإذا سجد غمزني، فقبضت رجلي، فإذا قام بسطتهما»، قالت: والبيوت يومئذ ليس فيها مصابيح۔[صحيح البخاري،باب الصلاة على الفراش (١/ ٨٦) الناشر: دار طوق النجاة،١٤٢٢ھ]

٢-حدثنا سفيان، عن عمرو، قال: أخبرني كريب،عن ابن عباس، أنه قال: لما صلى الفجر اضطجع حتى نفخ، فكنا نقول لعمرو: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: " تنام عيناي، ولا ينام قلبي "[مسند أحمد،مسند عبد الله بن العباس بن عبد المطلب،عن النبي صلى الله عليه وسلم (٣/ ٣٩٤)] وقالت عائشة: قال النبي -صلى الله عليه وسلم-: "تنام عيناي ولا ينام قلبي"[سنن أبي داود، باب في الوضوء من النوم(١/ ١٣٦)]

اور ایک لیلۃ التعریس کا واقعہ ہے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کے لیے بٹھایا گیا مگر وہ بھی سو گئے، اس سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ نوم انبیاء ناقض وضو ہے۔[1]

اس لیے بعض علماء نے نوم کی دو قسمیں بیان کی ایک قسم وہ ہے کہ نوم خفیف ہو تو یہ ناقض نہیں ہے اور نوم ثقیل ناقض وضو ہے۔ اس کے متعلق میرا خیال ہے کہ نوم انبیاء [علیہم الصلوٰۃ والسلام] ناقض وضو نہیں ہے نوم کی دو قسمیں کرنے سے یقظہ کی دو قسمیں کرنی چاہیے نوم انبیاء ناقض وضو نہیں اس لیے کہ نوم میں انسان مجبور ہوتا ہے کہ وضو برقرار رکھے، نوم سے نقض غیر اختیاری ہے اور یہ انبیاء علیہم السلام کو نہیں ہوتا، نوم سے نقض نہیں ہوتا مجبوراً نہیں ہوتا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے ایک مشروط عامہ بشرط وصف ہے، وصف عنوان علت ہے محمول کے لیے کل انسان متحرک الاصابع یہاں تحرک علت ہے۔

ایک مشروطہ عامہ فی زمان الوصف ہے، زمانہ وصف میں محمول کا ثبوت موضوع کے لیے ضروری ہے مگر وصف عنوان علت نہیں ہے جیسے کل کاتب انسان انسان کا ثبوت کتابت میں ضروری ہے کیونکہ انسان کے سارے افراد کاتب ہیں، اور سارے کاتب انسان ہیں وصف کتابت میں انسان کا وصف ضروری ہے کتابت کے وصف کے زمانے میں ثبوت انسان ضروری ہے مگر کتابت علت نہیں ہے ورنہ مجعولیت ذاتی لازم آئے گی۔

اب جس حدیث میں آیا ہے کہ میری آنکھیں سو جاتی ہیں دل یقظہ ہے، یقظہ کی وجہ سے نوم میں حدث ہو سکتا ہے نہ کہ نوم کی وجہ سے، یقظہ کی وجہ سے حدث ہو سکتا ہے۔

اب لیلۃ التعریس کا جواب یہ ہوا، لیلۃ التعریس میں شمس کا تعلق آنکھ سے تھا اور آنکھ نائم تھی وقت نوم میں حدث ہو سکتا ہے فی زمان الوصف حدث ہو سکتا ہے اور یہ وصف نوم علت نہیں ہے بلکہ یقظہ کی وجہ سے حدث ہو سکتا ہے، سبب علت یقظہ بنی نہ کہ نوم!۔ مس ذکر میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مس ذکر بطن ید سے ہو تو وضو ٹوٹتا ہے ورنہ نہیں۔ اس پر اعتراض ہے مس ذکر عام ہے بطن کی قید نہیں۔ اور مس مرأۃ میں بھی مالکیہ فرماتے ہیں شہوت سے ہو تو وضو ٹوٹتا ہے اور شوافعؒ فرماتے ہیں کہ غیر محرم کے مس سے وضو ٹوٹتا ہے۔

---

١ –عن عبد الله بن أبي قتادة، عن أبيه، قال: سرنا مع النبي صلى الله عليه وسلم ليلة، فقال: بعض القوم: لو عرست بنا يا رسـول الله، قال: «أخاف أن تناموا عن الصـلاة» قال بلال: أنا أوقظكم، فاضـطجعوا، وأسـند بلال ظهره إلى راحلته، فغلبته عيناه فنام، فاستيقظ النبي صلى الله عليه وسلم، وقد طلع حاجب الشمس، فقال: «يا بلال، أين ما قلت؟» قال: ما ألقيت علي نومة مثلها قط، قال: «إن الله قبض أرواحكم حين شاء، وردها عليكم حين شاء، يا بلال، قم فأذن بالناس بالصلاة» فتوضأ، فلما ارتفعت الشمس وابياضت، قام فصلى۔[صحيح البخاري، باب الأذان بعد ذهاب الوقت(١/ ١٢٢)]

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں تلذذ اور محرمیت کی قید نہیں ہے اپنی طرف سے لگاتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ مس کا معنٰی جماع اور جماع سے وضوٹوٹتاہے، دلیل لفظی یہ ہے کہ لفظ مس آیت میں جماع کے معنٰی میں آیاہے اور لام کی زیادتی زیادتی معنٰی پر دلالت کرتی ہے جیسے کہ الرحمٰن اور الرحیم میں یہ توجیہ بیان فرماتے ہیں۔

اور باقی تقبیل والی حدیث کی تائید ہوتی ہے اس کا ضعف معتبر نہیں اور دوسری حدیث میں آتاہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کے سامنے لیٹی رہتی تھیں آپ ﷺ نماز پڑھتے ہیں ہاتھ بھی لگتا تھا[1]، اور مس مراۃ سے وضوٹوٹنا قیاس کے بھی خلاف ہے، بعض بے دین لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کا پوچھنا ٹھیک نہیں ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ضحک بھی بے موقع ہے۔

بَابُ تَرْكِ الوُضُوءِ مِنَ القُبْلَةِ

عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبَّلَ بَعْضَ نِسَائِهِ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ»، قَالَ: قُلْتُ: مَنْ هِيَ إِلَّا أَنْتِ؟ فَضَحِكَتْ. وَقَدْ رُوِيَ نَحْوُ هَذَا عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَأَهْلِ الكُوفَةِ، قَالُوا: لَيْسَ فِي القُبْلَةِ وُضُوءٌ، وقَالَ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، وَالأَوْزَاعِيُّ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ: «فِي القُبْلَةِ وُضُوءٌ»، وَهُوَ قَوْلُ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِينَ. وَإِنَّمَا تَرَكَ أَصْحَابُنَا حَدِيثَ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا لِأَنَّهُ لَا يَصِحُّ عِنْدَهُمْ لِحَالِ الإِسْنَادِ. وسَمِعْت أَبَا بَكْرٍ العَطَّارَ البَصْرِيَّ يَذْكُرُ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ المَدِينِيِّ، قَالَ: ضَعَّفَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ القَطَّانُ هَذَا الحَدِيثَ، وَقَالَ: هُوَ شِبْهُ لَا شَيْءَ۔

عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھانجاہے، حضرت عائشہ ماں ہے اور ماں سے پوچھنا جائز ہے اور مسئلہ میں حیا بھی ٹھیک نہیں ہے اور صرف حدیث کے اندر قوت پیدا کرنے کے لیے کہہ دیا کہ وہ آپ ہی ہونگی ورنہ ازواج مطہرات میں سے اور کوئی ہوتی تو درمیان میں واسطہ آتا حدیث میں اتصال کی صفت نہ رہتی اور یہ مسائل سوائے ازواج مطہرات کے اور کسی کو معلوم نہیں ہوسکتے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ نے ہنس کر جواب دیا تاکہ اس قسم کے مسائل پوچھنے میں حجاب نہ کریں اور اگر غصہ کرتیں تو اس قسم کے مسائل رہ جاتے۔

هُوَ شِبْهُ لَا شَيْءَ:

---

[1] اس روایت کی تخریج اوپر گزر گئی ہے۔

یعنی باطل کے قریب ہے، اصطلاح اصول اس کو جرح مجرد کہتے ہیں اور یہ معتبر نہیں ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ امام بخاریؒ مؤخر ہیں شاید کوئی راوی ضعیف آگیا ہو بعد کے زمانے میں اور امام صاحبؒ کے زمانے میں تمام روات ثقہ تھے۔ ور دوسری بات یہ ہے کہ اس کو منقطع ثابت کرنا چاہیے، اصول حدیث جو ثقہ کا ہے کہ کبھی حدیث منقطع متصل سے بہتر ہوتی ہے، اس لیے کہ شاگرد کو استاد پر اعتماد ہوتا ہے استاد کے نام کو چھوڑ دیتا ہے جیسے کہ عبید اللہ اپنے واسطہ کا نام نہیں لیتا اور سب کہتے ہیں کہ عبید اللہ کی حدیث حجت ہے۔

بَابُ الوُضُوءِ مِنَ القَيْءِ وَالرُّعَافِ

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ: «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ، فَتَوَضَّأَ»، فَلَقِيتُ ثَوْبَانَ فِي مَسْجِدِ دِمَشْقَ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ: صَدَقَ، أَنَا صَبَبْتُ لَهُ وَضُوءَهُ،:

امام صاحبؒ کے نزدیک علت نجاست ماخرج من بدن المصلی ہے۔

امام شافعیؒ آیت کی وجہ مخرج معتاد کی قید لگاتے ہیں۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ دوسرے دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت والی علت فصح لدخول الفاء ہے علت مؤثرہ نہیں ہے حدیث نے اس علت کی تاثیر بیان کر دی کہ جنس علت ہے قے اور رعاف سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔قاء فتوضأ میں فاء تعلیل کے لیے ہے اور قے علت وضوء ہے اس حدیث سے استنباط نکالتے ہیں۔

امام صاحبؒ نے دوسری حدیث پیش کی کہ ایک عورت نے کہہ دیا کہ مجھے استحاضہ ہے نماز پڑھوں یا نہیں آپ ﷺ نے فرمایا پڑھو اس لیے کہ یہ دم عرق ہے، اس کو امام شافعیؒ نے بھی مان لیا ہے۔[1]

بَابُ الوُضُوءِ بِالنَّبِيذِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ أَبِي فَزَارَةَ، عَنْ أَبِي زَيْدٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: سَأَلَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا فِي إِدَاوَتِكَ؟، فَقُلْتُ: نَبِيذٌ، فَقَالَ: تَمْرَةٌ طَيِّبَةٌ، وَمَاءٌ طَهُورٌ، قَالَ: فَتَوَضَّأَ مِنْهُ. وإنما روي هذا الحديث عن أبي زيد، عن عبد الله، عن النبي صلى الله عليه وسلم. وأبو زيد رجل مجهول عند أهل الحديث لا تعرف له رواية غير هذا الحديث. وقد رأى بعض أهل العلم الوضوء

---

[1] - یہ روایت باب ما جاء في المستحاضة أنها تغتسل عند كل صلاة کے تحت آنے والی ہے روایت کے الفاظ یہ ہیں: عن عروة، عن عائشة، أنها قالت: استفتت أم حبيبة ابنة جحش رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقالت: إني أستحاض فلا أطهر، أفأدع الصلاة؟ فقال: لا، إنما ذلك عرق، فاغتسلي ثم صلي فكانت تغتسل لكل صلاة.(م-ض)

بالنبيذ منهم: سفيان، وغيره. وقال بعض أهل العلم: لا يتوضأ بالنبيذ، وهو قول الشافعي، وأحمد، وإسحاق. وقال إسحاق: إن ابتلي رجل بهذا فتوضأ بالنبيذ وتيمم أحب إلي. وقول من يقول: لا يتوضأ بالنبيذ، أقرب إلى الكتاب وأشبه، لأن الله تعالى قال: {فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا طيبا}.

کھجور پانی میں ڈال دیا جائے اس میں شیرہ نکل آئے جوش نہ دیا جائے پانی میٹھا ہو گیا (یہ نبیذ کہلاتا ہے)۔

ایک حدیث حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے آئی ہے کہ لیلۃ الجن میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے تبلیغِ جن فرمائی واپسی پر آ کر مجھ سے پوچھا کہ تمہارے برتن میں کیا ہے؟ تو میں نے کہا میرے پاس نبیذ تمر ہے۔

اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ نبیذ تمر ماء مقید ہے اور ماء مقید یہ ہے کہ شوربا ہو وغیرہ وغیرہ اور اسی طرح پتے نچوڑ کر پانی نکالا تو یہ بھی ماء مقید ہے اور ماء مطلق یہ ہے کہ پانی کہنے سے ذہن میں شوربا نہیں آتا ماء مطلق آتا ہے، مگر نبیذ تمر میں یہ بات نہیں ہے یہ تو مثل شوربے کے ہے، مقید ایک لوناً ہے اور ایک طعماً ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ نبیذ ہو تو تیمم جائز نہیں ہے نبید ماء مطلق ہے، امام صاحبؒ کی دلیل حضرت عبد اللہ بن مسعود کی حدیث ہے اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس کو ماء طهور فرمایا اور بقیہ ائمہ فرماتے ہیں کہ تیمم کرے وضو نہ کرے۔

اس حدیث کی سند میں شوافع اعتراض کرتے ہیں، ضعیف بنانا چاہتے ہیں، اس کی سند میں ابو فزارہ ہیں اور ایک ابی زید ہیں، کہتے ہیں کہ ابو فزارہ نباذ تھا اس لیے اس کی حدیث معتبر نہیں ہے۔ اور ابو زید بھی مجہول ہے۔[1]

---

[1] علامہ زیلعی (المتوفی: ۷۶۲ھ) رحمہ اللہ نے نصب الرایۃ میں اس بحث کو تفصیل سے بیان کیا ہے، حضرت رحمہ اللہ کی بحث دیکھنے سے پہلے نصب الرایۃ کی عبارت دیکھنے سے اس بحث کو سمجھنا مزید آسان ہو جاتا ہے اس لیے فائدے کی غرض سے نصب الرایۃ کی عبارت نقل کی جاتی ہے۔ (م-ض) وقد ضعف العلماء هذا الحديث بثلاث علل: أحدهما: جهالة أبي زيد. والثاني: التردد في أبي فزارة، هل هو راشد بن كيسان أو غيره. والثالث: أن ابن مسعود، لم يشهد مع النبي صلى الله عليه وسلم ليلة الجن، أما الأول: فقد قال الترمذي: أبو زيد رجل مجهول لا يعرف له غير هذا الحديث، وقال ابن حبان في كتاب الضعفاء: أبو زيد شيخ يروي عن ابن مسعود، ليس يدرى من هو، ولا يعرف أبوه ولا بلده، ومن كان - بهذا النعت - ثم لم يرو إلا خبرا واحدا خالف فيه الكتاب. والسنة. والإجماع. والقياس استحق مجانبة ما رواه، انتهى. قال ابن أبي حاتم في كتابه العلل سمعت أبا زرعة يقول: حديث أبي فزارة في الوضوء بالنبيذ ليس بصحيح، وأبو زيد مجهول، وذكر ابن عدي عن البخاري، قال: أبو زيد الذي روى حديث ابن مسعود في الوضوء بالنبيذ مجهول لا يعرف بصحبته عبد الله، ولا يصح هذا الحديث عن النبي صلى الله عليه وسلم، وهو خلاف القرآن، انتهى. (بقيه اگلے صفحه پر)

العلة الثانية: وهي التردد في أبي فزارة، فقيل: هو راشد بن كيسان، وهو ثقة، أخرج له مسلم، وقيل: هما رجلان، وأن هذا ليس براشد بن كيسان، وإنما هو رجل مجهول، وقد نقل عن الإمام أحمد أنه قال: أبو فزارة – في حديث ابن

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک بار مکہ مکرمہ میں غائب ہو گئے، صحابہ پریشان ہو گئے کہ شیاطین لے گئے ہوں یا قتل کر دیے گئے ہوں، مگر صبح اکیلے آپ ﷺ غار حرا کی طرف سے آ رہے تھے؛ فرمایا کہ جنوں کی تبلیغ کے لیے آیا تھا، نشانات بتلا دیے[1]، اب کہتے ہیں عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نہیں تھا اور ان کا نہ ہونا بھی ضعف کی دلیل ہے، تین ضعف آ گئے۔

مسعود - رجل مجهول، وذكر البخاري أبا فزارة العبسي غير مسمى، فجعلهما اثنين، وفي كل هذا نظر، فإنه قد روى هذا الحديث عن أبي فزارة جماعة، فرواه عنه شريك، كما أخرجه أبو داود. والترمذي، ورواه عنه سفيان والجراح بن مليح، كما أخرجه ابن ماجه، ورواه عنه إسرائيل كما أخرجه البيهقي. وعبد الرزاق في مصنفه ورواه عنه قيس بن الربيع كما أخرجهما عبد الرزاق. والجهالة عند المحدثين تزول برواية اثنين فصاعدا، فأين الجهالة بعد ذلك؟ إلا أن يراد جهالة الحال.

هذا، وقد صرح ابن عدي بأنه راشد بن كيسان، فقال: مدار هذا الحديث على أبي فزارة عن أبي زيد، وأبو فزارة اسمه: راشد بن كيسان وهو مشهور، وأبو زيد مولى عمرو بن حريث مجهول، وحكي عن الدارقطني أنه قال: أبو فزارة - في حديث النبيذ - اسمه راشد بن كيسان. وقال ابن عبد البر في كتاب الاستيعاب: أبو فزارة العبسي راشد بن كيسان ثقة عندهم، وذكر من روى عنه، ومن روى هو عنه، قال: وأما أبو زيد مولى عمرو بن حريث مجهول عندهم لا يعرف بغير رواية أبي فزارة، وحديثه عن ابن مسعود في الوضوء بالنبيذ منكر لا أصل له، ولا رواه من يوثق به، ولا يثبت، انتهى.

العلة الثالثة: وهي إنكار كون ابن مسعود شهد ليلة الجن، فقد اختلف في ذلك لاختلاف ما ورد في ذلك، فما ورد أنه لم يشهد ما رواه مسلم من حديث الشعبي عن علقمة، قال: سألت ابن مسعود، هل شهد منكم أحد مع رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: لا، ولكنا كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات ليلة ففقدناه۔۔۔الخ۔[نصب الرايةفصل في الأسآر وغيرها،(١/ ١٣٨) الناشر: مؤسسة الريان للطباعة والنشر - بيروت -لبنان/ دار القبلة للثقافة الإسلامية- جدة - السعودية ، ١٤١٨هـ/١٩٩٧م]

١ – حدثنا محمد بن المثنى، حدثنا عبد الأعلى عن داود، عن عامر، قال: سألت علقمة هل كان ابن مسعود شهد مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة الجن؟ قال: فقال علقمة، أنا سألت ابن مسعود فقلت: هل شهد أحد منكم مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة الجن؟ قال: لا ولكنا كنا مع رسول الله ذات ليلة ففقدناه فالتمسناه في الأودية والشعاب. فقلنا: استطير أو اغتيل. قال: فبتنا بشر ليلة بات بها قوم فلما أصبحنا إذا هو جاء من قبل حراء. قال: فقلنا يا رسول الله فقدناك فطلبناك فلم نجدك فبتنا بشر ليلة بات بها قوم. فقال: «أتاني داعي الجن فذهبت معه فقرأت عليهم القرآن» قال: فانطلق بنا فأرانا آثارهم وآثار نيرانهم وسألوه الزاد فقال: " لكم كل عظم ذكر اسم الله عليه يقع في أيديكم أوفر ما يكون لحما وكل بعرة علف لدوابكم. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «فلا تستنجوا بهما فإنهما طعام إخوانكم»[صحيح مسلم،باب الجهر بالقراءة في الصبح والقراءة على الجن (١/ ٣٣٢)]

اور ایک ضعف امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ یہ حدیث آیت کے خلاف ہے، آیت{فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا}[1] آئی ہے، بس پانی نہ ہونے سے تیمم کرو، نبیذ کا ذکر نہیں ہے۔

ان اعتراضات کی وجہ سے اکثر علماء نے اس کو چھوڑ دیا حتی کہ صاحبین نے بھی چھوڑ دیا اور کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود نے قولا اور فعلا انکار کیا، اور ایک اعتراض کرتے ہیں کہ لیلۃ الجن مکی ہے اور آیت تیمم مدنی ہے۔

کہتے ہیں کہ یہ صحیح ہو تو بھی منسوخ ہے۔ مؤخر مقدم کے لیے منسوخ ہے یا یہ کہہ دو کہ یہ حدیث متروک ہے۔

جواب: ابو فزارہ کی نباذیت سے حدیث کیسے چھوڑ دیں؟ نباذ ہونا عیب نہیں ورنہ تمام صحابہ مختلف تجارات کرتے تھے تو کیا ان چیزوں میں ان کی بات رد کر دیں؟ یہ ویسی باتیں ہیں اور ابو زید تابعی ہے بڑا زاہد تھا، عمرو بن حریث کا مولیٰ ہے، خود بھی معروف ہے اور مولیٰ کی حیثیت بھی معروف ہے، کہا جاتا ہے من زهاد التابعين۔

اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لیلۃ الجن چھ بار ہوئی ہے جب تعدد ہے تو ٹھیک ہے کہ آپ کسی واقعہ میں نہیں ہونگے۔ کتاب التفسیر میں یہ حدیث طول کے ساتھ مذکور ہے۔

باقی کہتے ہیں کہ یہ حدیث خبر واحد ہے، قرآن کے مخالف ہے!

جواب یہ ہے کہ ابو عالیہ ایک صحابی ہیں، فرماتے ہیں کہ میں کشتی میں سوار تھا ایک جماعت صحابہ بھی، تو بعض نے ماء بحر سے وضو کیا اور بعض نے ماء تمر سے وضو کیا، ماء بحر والوں نے ماء تمر والوں پر اعتراض نہیں کیا۔[2]

حدثنا موسى بن إسماعيل، حدثنا وهيب، عن داود، عن عامر،عن علقمة، قال: قلت لعبد الله بن مسعود: من كان منكم مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة الجن؟، فقال: «ما كان معه منا أحد»[سنن أبي داود، باب الوضوء بالنبيذ(١/ ٢١) الناشر: المكتبة العصرية، صيدا - بيروت]

١ – [النساء: ٤٣]

٢ –وروي عن أبي العالية الرياحي أنه قال: كنت في جماعة من أصحاب رسول الله - صلى الله عليه وسلم - في سفينة في البحر فحضرت الصلاة ففني ماؤهم، ومعهم نبيذ التمر فتوضأ بعضهم بنبيذ التمر، وكره التوضؤ بماء البحر، وتوضأ بعضهم بماء البحر، وكره التوضؤ بنبيذ التمر وهذا حكاية الإجماع فإن من كان يتوضأ بماء البحر كان يعتقد جواز التوضؤ بماء البحر فلم يتوضأ بنبيذ التمر لكونه واجدا للماء المطلق، ومن كان يتوضأ بالنبيذ كان لا يرى ماء البحر طهورا، أو كان يقول هو ماء سخطة، ونقمة، كأنه لم يبلغه قوله «- صلى الله عليه وسلم - في صفة البحر هو الطهور ماؤه الحل ميتته» . [بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع،فصل شرائط أركان الوضوء(١/ ١٦)]الناشر: دار الكتب العلمية،١٤٠٦هـ-١٩٨٦م]

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے کہ نبیذ تمر سے وضو کرو تیمم مت کرو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی فتویٰ ہے[1]۔

لہٰذا یہ حدیث مقبول ہوئی اور حدیث مقبول یہ ہے کہ اسلام کے دور اول میں روات کم ہوں۔ اسلام کے تین دور ہیں؛ دورِ صحابہ، دور تابعین اور دور تبع تابعین۔ حدیث مشہور محدثین کے نزدیک یہ ہے کہ صدر اول میں تین روای ہوں اور یہ بات اس حدیث میں باقی ہے اور ہمارے نزدیک حدیث مشہور ہونے کے لیے صدرین (دور صحابہ اور دور تابعین) میں مشہور ہو۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ کوشش کرو دونوں پر عمل کرو، وضو بھی کرو اور تیمم بھی کرو اور دوسری بات یہ ہے کہ نسخ کا حال معین نہیں ہے اور حدیث مشہور بھی ہے اس سے نسخ قرآن جائز ہے۔

مجہول کی دو قسمیں ہیں مجہول العین کہ ایک شخص روایت کرتا ہو اور کوئی شاگرد اس کا نہ ہو اور ایک مجہول الوصف ہے، علماء نے جواب دیے ہیں کہ ان کے متابعات بہت ہیں راشد بن کیسان، ابو ورق، ابو فزارہ تینوں ابو زید سے روایت کرتے ہیں لہذا محدثین کے قواعد کے مطابق یہ مجہول العین نہیں رہا، ہاں مجہول الوصف ہو سکتا ہے کہ ان کی عدالت معلوم نہیں اور مجہول الوصف اور مجہول الحال کی حدیث معتبر ہے۔

ایک حدیث کسی محدث سے مروی ہو تو یہ سبب قدح نہیں ہے اس لیے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے رسول اللہ ﷺ سے ایک ہی روایت کرتے ہیں اور چودہ (۱۴) متابعات اور بھی موجود ہیں۔

---

١ - حدثنا أبو معاوية، عن حجاج، عن أبي إسحاق، عن الحارث، عن علي، «أنه كان لا يرى بأسا بالوضوء من النبيذ» [مصنف ابن أبي شيبة،في الوضوء بالنبيذ (١/ ٣٢) [الناشر: مكتبة الرشد - الرياض، ١٤٠٩هـ]

نا عبد الباقي بن قانع , نا السري بن سهل الجنديسابوري , نا عبد الله بن رشيد , نا أبو عبيدة مجاعة , عن أبان , عن عكرمة , عن ابن عباس , قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «إذا لم يجد أحدكم ماء ووجد النبيذ فليتوضأ به». أبان هو ابن أبي عياش متروك الحديث , ومجاعة ضعيف , والمحفوظ أنه رأى عكرمة غير مرفوع.[سنن الدارقطني،باب الوضوء بالنبيذ(١/ ١٢٨)الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت - لبنان،١٤٢٤ هـ - ٢٠٠٤ م]

وكذا جماعة من الصحابة منهم علي، وابن مسعود، وابن عباس - رضي الله عنهم - كانوا يجوزون التوضؤ بنبيذ التمر.

وروي عن علي - رضي الله عنه - عن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه قال «نبيذ التمر وضوء من لم يجد الماء» .

وروى ابن عباس عن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه قال «توضئوا بنبيذ التمر، ولا تتوضئوا باللبن».[بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع،فصل شرائط أركان الوضوء(١/ ١٦)]الناشر: دار الكتب العلمية،١٤٠٦هـ - ١٩٨٦م]

اور لايوجدله یہ جملہ ترک حدیث کے لیے علت نہیں بن سکتا، شاگرد ایک ہو اور حدیثیں بہت نقل کریں یا ایک حدیث نقل کرے تو مجہول العین ہے اور ابوزید کے سب شاگرد کنیت سے مشہور ہیں نام مجہول ہو یہ مضر نہیں۔

باقی عبد اللہ کا کہنا کہ میں ساتھ نہ تھا ٹھیک ہے کہ چھ واقعات ہوئے ہیں تین بار مکہ اور تین بار مدینہ میں کسی ایک میں آپ حاضر نہ ہوں اگر سلب کلی مراد لیا جائے تو جواب یہ ہے کہ محل تبلیغ میں نہیں تھے کیونکہ آپ کو پیچھے بٹھا کر گئے تھے۔ باقی امام صاحب کا مذہب مفتی بہ تیمم ہے وفات سے پہلے رجوع کیا ہے۔

بَابُ المَضْمَضَةِ مِنَ اللَّبَنِ/بَابٌ فِي كَرَاهِيَةِ رَدِّ السَّلَامِ غَيْرَ مُتَوَضِّئٍ

عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، «أَنَّ رَجُلًا سَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَبُولُ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ»، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَإِنَّمَا يُكْرَهُ هَذَا عِنْدَنَا إِذَا كَانَ عَلَى الغَائِطِ وَالبَوْلِ۔

سلام کہنا مسنون ہے اور جواب دینا واجب ہے، تیمم لرد السلام مستحب ہے۔ عین بول وبراز کے وقت رد سلام واجب نہیں، غیر متوضی جواب دے سکتا ہے، پندرہ سولہ جگہیں ہیں کہ وہاں رد سلام واجب نہیں ہے۔[1]

بَابُ مَا جَاءَ فِي سُؤْرِ الكَلْبِ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: " يُغْسَلُ الإِنَاءُ إِذَا وَلَغَ فِيهِ الكَلْبُ سَبْعَ مَرَّاتٍ: أُولَاهُنَّ أَوْ أُخْرَاهُنَّ بِالتُّرَابِ، وَإِذَا وَلَغَتْ فِيهِ الهِرَّةُ غُسِلَ مَرَّةً "

---

[1] الدر المختار میں باب ما بفسد الصلوة وما يكره فيها [رد المحتار على الدر المختار (١/ ٦١٦)] میں ان مواقع اور مقامات کی تفصیل مذکور ہے جن میں سلام کرنا مکروہ قرار دیا گیا ہے اہل علم حضرت متعلقہ مقام پر پوری تفصیل ملاحظہ کر سکتے ہیں، ان مقامات کو اشعار میں یوں بیان کیا گیا ہے۔(م-ض)

سلامك مكروه على من ستسمع	ومن بعد ما أبدي يسن ويشرع
مصل وتال ذاكر ومحدث	خطيب ومن يصغي إليهم ويسمع
مكرر فقه جالس لقضائه	ومن بحثوا في الفقه دعهم لينفعوا
مؤذن أيضا أو مقيم مدرس	كذا الأجنبيات الفتيات امنع
ولعاب شطرنج وشبه بخلقهم	ومن هو مع أهل له يتمتع
ودع كافرا أيضا ومكشوف عورة	ومن هو في حال التغوط أشنع
ودع آكلا إلا إذا كنت جائعا	وتعلم منه أنه ليس يمنع

ایک مسئلہ یہ ہے کہ ولوغ کلب سے پانی ناپاک ہوا یا نہیں؟ امام صاحب کے نزدیک ناپاک ہوتا ہے اور تین بار دھونے سے پاک ہوتا ہے اور سات کو تھدیدی حکم بتلاتے ہیں کیونکہ اس زمانہ میں کتوں سے بڑی محبت تھی جیسے کہ شراب کے برتن آپ ﷺ نے توڑوادیے اسی طرح کتوں میں بھی شدت کی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي سُؤْرِ الهِرَّةِ

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الأَنْصَارِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْنٌ قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ حُمَيْدَةَ بِنْتِ عُبَيْدِ بْنِ رِفَاعَةَ، عَنْ كَبْشَةَ بِنْتِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَكَانَتْ عِنْدَ ابْنِ أَبِي قَتَادَةَ، أَنَّ أَبَا قَتَادَةَ دَخَلَ عَلَيْهَا، قَالَتْ: فَسَكَبْتُ لَهُ وَضُوءًا، قَالَتْ: فَجَاءَتْ هِرَّةٌ تَشْرَبُ، فَأَصْغَى لَهَا الإِنَاءَ حَتَّى شَرِبَتْ، قَالَتْ كَبْشَةُ: فَرَآنِي أَنْظُرُ إِلَيْهِ، فَقَالَ:
أَتَعْجَبِينَ يَا بِنْتَ أَخِي؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ، فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ، إِنَّمَا هِيَ مِنَ الطَّوَّافِينَ عَلَيْكُمْ، أَوِ الطَّوَّافَاتِ»

سؤر اور عرق کا حکم ایک ہے، ایک سبع بہائم ہے اور ایک سبع بیوت ہے، سبع بہائم کا سور ناجائز ہے یعنی درندوں کا سؤر۔ اور ہرۃ (بلی) میں خلاف ہے بعض کے نزدیک پاک ہے اور حدیث ہے کہ إِنَّمَا هِيَ مِنَ الطَّوَّافِينَ عَلَيْكُمْ، أَوِ الطَّوَّافَاتِ ۔اجتناب مشکل تھا اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کا سؤر پاک ہے پھر بعد میں جاکر آپ ﷺ نے فرمایا کہ الهرة سبع، اب اس کا سؤر نجس ہوا

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس کا سؤر ناپاک ہے اور رسول اللہ ﷺ نے جب فرمایا اس وقت پاک تھا بعد میں جب سبع کی نجاست کا حکم آیا تو نجس ہو گیا، اب الضرورة تبيح المحذورات (میں سے ہوا) بچنا مشکل تھا لہٰذا جواز ہے مگر بعض کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے اور بعض کے ہاں مکروہ تحریمی ہے لہٰذا حکماً پاک ہے۔

[مطلب یہ ہے کہ اصلا بلی کا جوٹھا ناپاک ہی ہے لیکن ضرورت اور حرج کی وجہ سے اس کی ناپاکی معاف ہے اور حکماً اس کا جوٹھا پاک و حلال ہے۔]

بَابُ المَسْحِ عَلَى الخُفَّيْنِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ الحَارِثِ، قَالَ: بَالَ جَرِيرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، ثُمَّ تَوَضَّأَ، وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ، فَقِيلَ لَهُ: أَتَفْعَلُ هَذَا؟ قَالَ:
وَمَا يَمْنَعُنِي، وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ: وَكَانَ يُعْجِبُهُمْ حَدِيثُ جَرِيرٍ لأَنَّ إِسْلاَمَهُ كَانَ بَعْدَ نُزُولِ الْمَائِدَةِ. وَيُرْوَى عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ، قَالَ: رَأَيْتُ جَرِيرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ تَوَضَّأَ،

وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ، فَقُلْتُ لَهُ فِي ذَلِكَ، فَقَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ، وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ، فَقُلْتُ لَهُ: أَقَبْلَ الْمَائِدَةِ، أَمْ بَعْدَ الْمَائِدَةِ؟ فَقَالَ: مَا أَسْلَمْتُ إِلاَّ بَعْدَ الْمَائِدَةِ

مسح علی الخفین، مسح علی الجوربین اور مسح علی العمامۃ تین قسم کی حدیثیں لائیں گے۔ ہمارے ہاں عمامہ پر مسح جائز نہیں ہے صحابہ کو مسح علی الخفین پر شبہ تھا ویل للاعقاب من النار[1] سے اور قرآن کے آیات کے بھی خلاف ہے آیت سورۃ مائدہ میں غسل رجلین آیا ہے اس لیے بعض عدم کے قائل ہوئے۔[2]

مگر امام صاحبؒ اور ائمہ فرماتے ہیں کہ یہ خبر مشہور ہے، غسل منسوخ ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے مسح علی الخفین میں شبہ تھا بعد میں معلوم ہوا کہ آفتاب کی طرح واضح حدیثیں آئی ہیں اور اب اس کو علامات ایمان قرار دیا اہل سنت والجماعت کے لیے۔ پھر کسی نے جریر سے کہا سورۃ مائدہ سے پہلے کی ہے یہ حدیث؟ اس پر جریر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں مسلمان سورۃ مائدہ کے بعد ہوا ہوں، جریر کی حدیث مغیر ہے یا مفسر ہے۔ ایک مسئلہ مسح علی الخفین کے ثبوت کا تھا ختم ہوا۔

بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ لِلْمُسَافِرِوَالْمُقِيمِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ عَاصِمِ بْنِ أَبِي النَّجُودِ عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا سَفَرًا أَنْ لَا نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهِنَّ إِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ وَلَكِنْ مِنْ غَائِطٍ وَبَوْلٍ وَنَوْمٍ.

قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَى الْحَكَمُ بْنُ عُتَيْبَةَ وَحَمَّادٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ الْجَدَلِيِّ عَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ وَلَا يَصِحُّ قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ شُعْبَةُ لَمْ يَسْمَعْ إِبْرَاهِيمُ النَّخَعِيُّ مِنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ الْجَدَلِيِّ حَدِيثَ الْمَسْحِ وَقَالَ زَائِدَةُ عَنْ مَنْصُورٍ كُنَّا فِي حُجْرَةِ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ وَمَعَنَا إِبْرَاهِيمُ النَّخَعِيُّ فَحَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ التَّيْمِيُّ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ الْجَدَلِي عَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَعِيلَ أَحْسَنُ شَيْءٍ فِي هَذَا الْبَابِ حَدِيثُ صَفْوَانَ بْنِ

---

١ - یعنی اس حدیث سے شبہ تھا: عن عبد الله بن عمرو، قال: تخلف النبي صلى الله عليه وسلم عنا في سفرة سافرناها، فأدركنا وقد أرهقنا العصر، فجعلنا نتوضأ ونمسح على أرجلنا، فنادى بأعلى صوته: «ويل للأعقاب من النار» مرتين أو ثلاثا۔[صحيح البخاري،باب غسل الرجلين، ولا يمسح على القدمين (١/ ٤٤)]

٢ -{يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ} [المائدة: ٦]

عَسَّالٍ الْمُرَادِيِّ قَالَ أَبُو عِيسَى وَهُوَ قَوْلُ أَكْثَرِ الْعُلَمَاءِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِينَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنْ الْفُقَهَاءِ مِثْلِ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحَقَ قَالُوا يَمْسَحُ الْمُقِيمُ يَوْمًا وَلَيْلَةً وَالْمُسَافِرُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهِنَّ قَالَ أَبُو عِيسَى وَقَدْ رُوِيَ عَنْ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّهُمْ لَمْ يُوَقِّتُوا فِي الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى وَالتَّوْقِيتُ أَصَحُّ.

وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الْحَدِيثُ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ أَيْضًا مِنْ غَيْرِ حَدِيثِ عَاصِمٍ

دوسرا باب لائیں گے کہ مسح علی الخفین موَقت ہے یا غیر موَقت؟ کہہ دینگے کہ موَقت مقیم اور مسافر کی حیثیت سے ہے، ایک دن ایک رات مسح علی الخفین ہے (مقیم کے لیے) مگر کس وقت سے لیں تو اس میں اختلاف ہے، تین وقت ہیں، وقت حدث، وقت لبس، وقت مسح ہے۔ اب ان تینوں میں سے کس سے لیں گے اور یہ تینوں مسائل موقوف اس بات پر ہیں کہ خفین رافع حدث ہیں یا دافع حدث؟ اکثر علماء رافع حدث کے قائل ہیں رافع کا معنٰی یہ ہے کہ کوئی شخص باوضو تھا خف پہن لیا پھر بعد میں مسح کرتا ہے اب مسح جائز ہوا تو یہ معنٰی ہوگا جو نجاست پیر پر تھی اب مسح نے اس کو اٹھا دیا۔

تمام ائمہ رافع نہیں مانتے ہیں۔ رافع حدث کے یہ معنٰی ہے کہ وضوء کرکے پیر دھو لیے اور بعد میں خفین پہن لیے اب اگر وضو ٹوٹ گیا تو پاؤں میں حدث سرایت نہیں کرے گا کیونکہ موزہ حدث کے لیے دافع ہے، پاؤں میں حدث آنے نہیں دیتا۔ پھر ایک وقت لبس ہے، ایک وقت حدث ہے اور ایک وقت مسح ہے۔ کسی شخص نے صبح کی نماز کے لیے وضو کیا پیروں کو دھو لیا ہے اور موزے پہن لیے تو یہ وقت لبس ہے، اور طلوع کے بعد پیشاب کیا تو یہ وقت حدث ہے، اب ظہر کے وقت مسح کریگا تو یہ وقت مسح ہے۔

پھر جن علماء کے نزدیک وقت مسح سے اعتبار ہے تو وقت مسح وقت ظہر ہے اور جو وقت لبس کے قائل ہیں وہ کہیں گے کہ صبح تک مسح کر سکتا ہے یعنی وقت صبح مدت ٹھہرائے گا۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ وقت حدث سے نجاست آتی ہے اور خفین دافع حدث ہیں۔ فرماتے ہیں کہ صبح سے لیکر جب طلوع شمس ہوا (اور اس نے پیشاب کیا) تو اب موزہ دافع بن گیا، خف کا کام اب سے شروع ہوا۔

ایک دن ایک رات غیر مسافر کی مدت ہے۔ اور بعض لوگ غیر موَقت کے قائل ہیں ایک صحابی کو آپ ﷺ نے آخر میں جا کر فرمایا کہ جہاں تک ہو سکے کرتے رہو۔

اور اس حدیث کا علماء نے جواب دیا کہ المقیم اور المسافر پر الف لام استغراقی ہے اور تعامل صحابی بھی اس پر دال ہے، ہمیشہ کا یہ معنٰی نہیں ہے کہ جوتے نکالے ہی نہیں بلکہ توقیت کا لحاظ ہمیشہ کرتے رہو۔

بَابٌ فِي الْمَسْحِ عَلَى الجَوْرَبَيْنِ وَالنَّعْلَيْنِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، وَمَحْمُودُ بْنُ غَيْلاَنَ، قَالاَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي قَيْسٍ، عَنْ هُزَيْلِ بْنِ شُرَحْبِيلَ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَسَحَ عَلَى الجَوْرَبَيْنِ وَالنَّعْلَيْنِ.

تیسرا اختلاف یہ ہے کہ جرابوں پر مسح ہوتا ہے یا نہیں ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے جراب اور نعلین پر مسح فرمایا علیحدہ لیا جائے تو معنیٰ یہ ہے کہ ایک زمانے پر آپ ﷺ نے جراب پر مسح فرمایا اور ایک زمانے میں خف پر مسح فرمایا۔

امام صاحب کے نزدیک جراب منعل پر مسح جائز ہے تلی چمڑے کی ہو ورنہ نہیں، جراب والی حدیث کی تاویل فرماتے ہیں کہ صرف ایک حدیث میں جوربین اور نعلین آئے ہیں۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ پنڈلی پر رکے موٹی ہو تو جائز ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ نعلین پر حدیث مشہور سے ثابت ہے اور جرابوں کے لیے یہ حکم نہیں، اور انفراداً جو روایت آئی ہے وہ خبر واحد ہے اور عام کے نص کے مقابلے میں نہیں لیا جاتا۔

یا یہ فرماتے ہیں کہ وضو کی دو قسمیں ہیں ناقص اور ایک وضو کامل ہے، وضو ناقص میں مسح جوربین جائز ہے مگر اس سے نماز ادا نہیں کر سکتے، نعلین پر مسح اس زمانے کا ہے کہ جس زمانے میں غسل کا حکم نہیں آیا تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔

اجتماعی صورت میں مسح علی الجوربین اور نعلین کا جواب یہ ہے کہ جرابین منعلین پر مسح کیا واو مع کے معنیٰ میں ہے، امام صاحب نے وفات سے پہلے رجوع فرمایا صاحبین کے قول کی طرف ثخینین کے قائل ہوئے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَسْحِ عَلَى العِمَامَةِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ القَطَّانُ، عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ، عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُزَنِيِّ، عَنِ الحَسَنِ، عَنِ ابْنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَسَحَ عَلَى الخُفَّيْنِ وَالعِمَامَةِ، قَالَ بَكْرٌ: وَقَدْ سَمِعْتُهُ مِنَ ابْنِ الْمُغِيرَةِ. وَذَكَرَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ فِي هَذَا الحَدِيثِ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ أَنَّهُ مَسَحَ عَلَى نَاصِيَتِهِ وَعِمَامَتِهِ.

مسح علی العمامة رہ گیا، حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے مسح علی العمامة کیا ہے؟ امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ آیت کے خلاف ہے اس لیے متروک ہے اور حدیث کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے مسح تو پورے سر پر کیا اور عمامہ پر فرض مسح کے بعد کیا، راوی سمجھا کہ مسح علی العمامہ ہوا ہے حالانکہ یہ بات نہیں ہے بالذات مسح علی العمامہ جائز نہیں ہے زخم ہو عذر ہو تو جائز ہے اور رسول اللہ نے بھی عذر کی وجہ سے کیا ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الغُسْلِ مِنَ الجَنَابَةِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الجَعْدِ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ خَالَتِهِ مَيْمُونَةَ، قَالَتْ: وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلاً، فَاغْتَسَلَ مِنَ الجَنَابَةِ، فَأَكْفَأَ الإِنَاءَ بِشِمَالِهِ عَلَى يَمِينِهِ، فَغَسَلَ كَفَّيْهِ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الإِنَاءِ فَأَفَاضَ عَلَى فَرْجِهِ، ثُمَّ دَلَكَ بِيَدِهِ الحَائِطَ، أَوِ الأَرْضَ، ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ، ثُمَّ أَفَاضَ عَلَى رَأْسِهِ ثَلاَثًا، ثُمَّ أَفَاضَ عَلَى سَائِرِ جَسَدِهِ، ثُمَّ تَنَحَّى فَغَسَلَ رِجْلَيْهِ.هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حدثنا ابن أبي عمر، قال: حدثنا سفيان، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة، قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أراد أن يغتسل من الجنابة: بدأ فغسل يديه قبل أن يدخلهما الإناء، ثم غسل فرجه، ويتوضأ وضوءه للصلاة، ثم يشرب شعره الماء، ثم يحثي على رأسه ثلاث حثيات. هذا حديث حسن صحيح.وهو الذي اختاره أهل العلم في الغسل من الجنابة، أنه يتوضأ وضوءه للصلاة، ثم يفرغ على رأسه ثلاث مرات، ثم يفيض الماء على سائر جسده، ثم يغسل قدميه۔

یہاں دو مسئلے ہیں؛

۱۔جنابت کس سے ہوتی ہے؟

۲۔ غسل جنابت

قال الشیخ پہلا پہلے ہونا چاہیے تھا لیکن انھوں نے مؤخر کیا، ضمناً۔[1]

۳۔ تیسرا مسئلہ طہارت منی

۴۔چوتھا مسئلہ مخرج بول سے منی، مذی اور ودی خارج ہوتے ہیں۔

مسئلہ اولیٰ: شوافع کے نزدیک خروج منی سے جنابت ہوتی ہے بالشہوت ہو یا بلا شہوت ہو.

عند الاحناف **خروج عن مقره بشهوة** یا صرف ادخال یعنی **التقاء ختانین،** دو شرطیں ہیں عام ہے(منی) خارج ہو یا نہ ہو۔

۱- قال الشیخ سے مراد بظاہر مولانا رسول خان صاحب قدس سرہ ہی ہیں کیونکہ یہاں حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں، کسی شاگرد نے درس نوٹ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ استاذ محترم فرماتے ہیں کہ پہلے جنابت کے اسباب کا ذکر ہونا چاہیے تھا اور اس کے بعد غسل جنابت والی بحث آنی چاہیے تھی۔ یعنی پہلے یہ مسئلہ بیان کرنا چاہیے کہ جنابت کن چیزوں سے ہوتی ہے اور اس کے بعد غسل جنابت کا طریقہ بتانا چاہیے، لیکن یہاں امام ترمذی رحمہ اللہ پہلے غسل جنابت والی روایات لائے ہیں۔

دلیل شوافع:

انما الماء من الماء[1]،ماء اول سے غسل اور ماء ثانی سے خروج منی مراد ہے، شہوت کی اس میں قید نہیں۔

دلیل امام ابو حنیفہ علی اثبات الشہوۃ؛ صحابہ نے پوچھا هل علی المراة من الغسل اذا احتلمت؟

تو آپ ﷺ نے جواب دیا ہاں، اگر اسے بھی مرد کی طرح لذت آجائے۔[2]

الجواب عن مستدل الشافعی: الماء کو اگر عام کریں تو بول، مذی اور ودی بھی ماء ہیں، ان سے بھی غسل کرنا چاہیے ولم يقل به أحد معلوم ہوا کہ تمہارے نزدیک بھی مؤول ہے کہ خاص منی مراد لیتے ہیں.

اب اگر ہم نے بشہوۃ کی قید لگا کر تاویل کی تو کیا قصور ہوا؟ دوسرا جزء مسئلہ (ادخال): کسی نے دخول بلا انزال کیا تو امام صاحب کے نزدیک جنبی ہوگا اور عند البعض نہیں ہوگا جب تک کہ انزال نہ ہو۔ دلیل بعض انما الماء من الماء ہے۔

دلیل امام صاحب: بخاری میں ہے صحابی جماع میں مشغول تھے حضور ﷺ نے بلایا تو فوراً آگئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اکسل الرجل یعنی بلا انزال جلدی بلایا گیا تو اس پر انھوں نے غسل فرمایا۔[3]

---

١ -عن أبي سعيد الخدري، عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: «إنما الماء من الماء»[صحيح مسلم،باب إنما الماء من الماء(١/ ٢٦٩)]

٢- عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أُمِّ المُؤْمِنِينَ أَنَّهَا قَالَتْ: جَاءَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ امْرَأَةُ أَبِي طَلْحَةَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ: إِنَّ اللَّهَ لاَ يَسْتَحْيِي مِنَ الحَقِّ، هَلْ عَلَى المَرْأَةِ مِنْ غُسْلٍ إِذَا هِيَ احْتَلَمَتْ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «نَعَمْ إِذَا رَأَتِ المَاءَ»[صحيح البخاري، بَابُ إِذَا احْتَلَمَتِ المَرْأَةُ(١/ ٦٥)]

٣- أَنَّ رَسولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ أرْسَلَ إلى رَجُلٍ مِنَ الأنْصَارِ فَجَاءَ ورَأْسُهُ يَقْطُرُ، فَقَالَ النبيُّ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ: لَعَلَّنَا أعْجَلْنَاكَ، فَقَالَ: نَعَمْ، فَقَالَ رَسولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ: إذَا أُعْجِلْتَ أوْ قُحِطْتَ فَعَلَيْكَ الوُضُوءُ. تَابَعَهُ وهْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أبو عبدِ اللَّهِ: ولَمْ يَقُلْ غُنْدَرٌ، ويَحْيَى، عن شُعْبَةَ: الوُضُوءُ(صحيح البخاري،الرقم:١٨٠). كان أصحابُ النبيِّ صلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ يُسرِعونَ إلى إجابتِه صلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ ويُلَبُّونَ نِداءَه، فنالُوا مِن الطَّاعةِ كَمالَها، ومِن الانقيادِ تَمامَه، وهذا الحديثُ شاهدٌ على ذلك.وهذا الحُكمُ كان في البِدايةِ، وقد نُسِخَ بعدَ ذلك بما في الصَّحيحَينِ عن أبي هُريرةَ، عن النبيِّ صلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ قال: «إذا جَلَسَ بيْن شُعَبِها الأَرْبعِ، ثُمَّ جَهَدَها؛ فقَدْ وَجَبَ الغَسْلُ»، فلم يَشترِطِ الإنزالَ للغُسْلِ، وقد استقَرَّ الأمرُ على أنَّ الجِماعَ يُوجِبُ الغُسلَ، أنزَلَ الرَّجلُ فيه أو لم يُنزِلْ. وعن عائشة، زوج النبي صلى الله عليه وسلم قالت: إن رجلا سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الرجل يجامع أهله ثم يكسل هل عليهما الغسل؟ وعائشة جالسة. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «إني لأفعل ذلك، أنا وهذه، ثم نغتسل»[صحيح مسلم،باب نسخ الماء من الماء ووجوب الغسل بالتقاء الختانين(١/ ٢٧٢)] وحدثنا غندر، عن شعبة، عن أبي عبد الله الشامي، قال: سمعت النعمان بن بشير، يقول في الرجل إذا أكسل

جواب نمبر۱: اس میں صحابہ میں اختلاف تھا ایک صحابی نے حضرت عائشہ سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ صرف دخول سے (غسل) واجب ہے انزال شرط نہیں ہے کیونکہ اذا التقاء الختانان وجب علیہما الغسل-[1]

جواب نمبر۲: ابتداء میں انما الماء من الماء کا حکم تھا پھر منسوخ کر دیا گیا، جیسا کہ روایت جابر میں بھی ہے۔[2]

جواب نمبر۳: منسوخ نہیں مقید ہے احتلام سے کذا قال ابن عباس رضی اللہ عنہ اگر احتلام میں انزال نہ ہو تو غسل واجب نہیں۔[3]

فلم ينزل، قال: «يغتسل»[مصنف ابن أبي شيبة،من قال إذا التقى الختانان فقد وجب الغسل(١/ ٨٦) الناشر: مكتبة الرشد - الرياض، ١٤٠٩] وقد ذكر الإمام النووي رحمه الله أن الأمة مجمعة الآن على وجوب الغسل بالجماع، وإن لم يكن معه إنزال، وكانت جماعة من الصحابة على أنه لا يجب إلا بالإنزال ثم رجع بعضهم، وانعقد الإجماع بعد الآخرين.

١ -وحدثني عن مالك، عن يحيى بن سعيد، عن سعيد بن المسيب أن أبا موسى الأشعري أتى عائشة، زوج النبي صلى الله عليه وسلم، فقال لها: لقد شق علي اختلاف أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم في أمر، إني لأعظم أن أستقبلك به. فقالت ما هو؟ ما كنت سائلا عنه أمك، فسلني عنه. فقال: الرجل يصيب أهله ثم يكسل ولا ينزل؟ فقالت: «إذا جاوز الختان الختان فقد وجب الغسل». فقال أبو موسى الأشعري لا أسأل عن هذا أحدا، بعدك أبدا۔[موطأ مالك، باب واجب الغسل إذا التقى الختانان (١/ ٤٦) الناشر: دار إحياء التراث العربي، بيروت لبنان، ١٤٠٦ هـ - ١٩٨٥ م]

٢- متن میں حضرت جابر کے حوالے سے اس روایت کو بیان کیا گیا ہے لیکن حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہمیں نہیں ملی بلکہ اکثر کتب احادیث میں یہ روایت حضرت ابی ابن کعب سے منقول ہے، خود امام ترمذی نے بھی اس روایت کو ابی ابن کعب سے نقل کیا اور پھر فرمایاکہ وهكذا روى غير واحد من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم منهم: أبي بن كعب، ورافع بن خديج. امام ترمذی نے بھی یہاں صرف مزید ایک صحابی رافع بن خدیج کا نام ذکر کیا ہے اس کے علاوہ کسی کا نام ذکر نہیں کیا بلکہ مطلقا کہہ دیا ہے کہ ایک سے زیادہ صحابہ سے یہ روایت مروی ہے بہر حال حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت منقول ہے یا نہیں اس بارے میں کوئی حتمی بات معلوم نہیں ہو سکی، یہاں بظاہر لکھنے والے کی غلطی معلوم ہوتی ہے واللہ اعلم، روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

حدثنا أحمد بن صالح، حدثنا ابن وهب، أخبرني عمرو يعني ابن الحارث، عن ابن شهاب، حدثني بعض، من أرضي، أن سهل بن سعد الساعدي، أخبره، أن أبي بن كعب، أخبره أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: «إنما جعل ذلك رخصة للناس في أول الإسلام لقلة الثياب، ثم أمر بالغسل، ونهى عن ذلك»، قال أبو داود: يعني الماء من الماء۔[سنن أبي داود،باب في الإكسال (١/ ٥٥)]

٣ - حدثنا علي بن حجر، قال: أخبرنا شريك، عن أبي الجحاف، عن عكرمة، عن ابن عباس، قال: إنما الماء من الماء في الاحتلام. [سنن الترمذي، باب ما جاء أن الماء من الماء(١/ ١٤٢)]

کبھی بعض احکام ظاہرہ سے احکام باطنہ ثابت کرتے ہیں جیسے کہ شہادت باللسان سے مسلمان سمجھا جائے گا قلب پر اس کو دال بنایا جائے گا جیسا کہ خلوت صحیحہ کو اگرچہ وطی نہ کی ہو تو مہر کامل دینا پڑے گا، پھر ظاہر کو باطن پر دال بنا کر مہر کامل دینا پڑے گا یا جیسے کہ سفر میں سبب ظاہری کو مشقت باطنی پر دال بنا کر قصر کا حکم کر دیتے ہیں اگرچہ مشقت نہ ہو۔

وقالوا انغمست الجنب:

جنبی اگر بلانیت غوطہ لگا کر غسل کرے تو عند الشافعی یہ طاہر ہو جائے گا اور عند الاحناف نہیں، ان کے نزدیک اس میں تفصیل ہے جیسے کہ مسئلة البئر میں اس کے تین مقدمات ہیں؛ ماء مستعمل کیا ہوتا ہے؟ کتنی چیزوں سے ہوتا ہے؟ اس کا حکم کیا ہے؟ تیسرا مقدمہ اس کا حکم، امام صاحب سے تین روایتیں ہیں، نجس، طاہر، طاہر غیر مطہر۔

مقدمہ اولی: اب جنبی کے ماء مستعمل میں صرف غوطہ لگانے سے مستعمل نہیں ہوتا بلکہ عند ابی یوسفؒ صب شرط ہے بغیر صب کے مستعمل نہیں ہوتا، امام صاحب اور امام محمدؒ کے نزدیک صب شرط نہیں ہے جنبی کے غوطہ لگانے سے ہی مستعمل ہو جاتا ہے۔

مقدمہ ثانی: اسباب مستعمل ہونے کے رفع حدث اور قرب کے لیے (پانی کا استعمال) ہونا ہے، جیسے کہ وضو علی الوضو سے (بنیت ثواب پانی استعمال کرنے سے پانی) مستعمل ہو جائے گا۔

مقدمہ ثالث: جنبی اگر بلانیت غسل کنویں میں غوطہ لگائے اس میں اختلاف ہے عند محمد اگر نیت غسل کی ہو تو پانی مستعمل ہو گا ورنہ نہ ہو گا، اب یہ شخص عندہ پاک ہو جائے گا اور پانی غیر مستعمل ہو گا۔

[امام محمد کے ہاں رفع حدث کے لیے نیت شرط نہیں اس لیے حدث رفع ہو کر جنبی پاک ہو جائے گا لیکن چونکہ پانی مستعمل ہونے کے لیے ان کے ہاں نیت قربت ضروری ہے اور وہ اس صورت میں نہیں پائی گئی اس لیے پانی مستعمل نہیں ہو گا، واللہ اعلم۔ ازم-ض]

اور عند ابی یوسف ماء و جنبی دونوں برحال ہونگے، جنبی وجہ عدم صب۔

[پانی بوجہ عدم استعمال رفع حدث، کیونکہ صب ہونے سے رفع حدث ہونا تھا اور اس سے پانی مستعمل ہونا تھا، جو نہیں پایا گیا۔ ازم-ض]

اور عند ابی حنیفہ ماء و جنبی دونوں نجس ہونگے اور اگر نیت غسل داخل ہو تو عند الامام جنابت سے نکل جائے گا اور عند ابی یوسف صرف غوطے سے جنبی ہی رہے گا۔

کنز میں مسئلہ البیر جحط ان شئت التفصیل فلیراجع الی حاشیۃ الکنز۔*

*[صاحب کنز الدقائق نے کتاب الطھارۃ میں اس مسئلے کو ومسألة البئر حجط، سے بیان کیا ہے اس کی تشریح اور وضاحت کے لیے البحر الرائق کی عبارت فائدہ کے لیے ذیل میں ذکر کی جاتی ہے جس سے مسئلہ مکمل طور پر واضح ہو جاتا ہے۔ازم-ض]

(قوله ومسألة البئر حجط) أي ضابط حكم مسألة البئر حجط وصورتها جنب انغمس في البئر للدلو أو للتبرد ولا نجاسة على بدنه فعند أبي حنيفة الرجل والماء نجسان وعند أبي يوسف الرجل جنب على حاله والماء مطهر على حاله. وعند محمد الرجل طاهر والماء طاهر طهور فالجيم من النجس علامة نجاستهما والحاء من الحال أي كلاهما بحاله، والطاء من الطاهر فرتب حروفه على ترتيب الأئمة فالحرف الأول للإمام الأعظم والثاني للثاني والثالث للثالث وجه قول أبي حنيفة إن الفرض قد سقط عن بعض الأعضاء بأول الملاقاة؛ لأن النية ليست بشرط لسقوط الفرض، فإذا سقط الفرض صار الماء مستعملا عندهفيتنجس الماء والرجل باق على جنابته لبقاء الحدث في بقية الأعضاء، وقيل عنده نجاسة الرجل بنجاسة الماء المستعمل وصحح في شروح الهداية أنه نجس بالجنابة عنده وفائدة الخلاف تظهر في تلاوة القرآن ودخول المسجد إذا تمضمض واستنشق وفي فتاوى قاضي خان أن الأظهر أنه يخرج من الجنابة ثم يتنجس بالماء النجس حتى لو تمضمض واستنشق حل له قراءة القرآن اهـ ووجه قول أبي يوسف إن الصب سطر لإسقاط الفرض عنده في غير الماء الجاري، وما هو في حكمه، ولو يوجد، فكان الرجل جنبا بحاله، فإذا لم يسقط الفرض، ولم يوجد رفع الحدث، ولا نية القربة لا يصير الماء مستعملا، فكان بحاله ووجه قول محمد على ما هو الصحيح عنه إن الصب ليس بشرط عنده، فكان الرجل طاهرا ولا يصير الماء مستعملا، وإن أزيل به حدث للضرورة، وأما على ما خرجه أبو بكر الرازي، فإنه لا يصير الماء مستعملا عنده لفقد نية القربة، وهي شرط عنده في صيرورته مستعملا وهذه المسألة أخذ منها أبو بكر الرازي الاختلاف في سبب استعمال الماء بين الأصحاب، وقد تقدم أن أخذه منها غير لازم كما ذكره شمس الأئمة وقال الخبازي في حاشية الهداية قال القدوري: - رحمه الله - كان شيخنا أبو عبد الله الجرجاني يقول الصحيح عندي من مذهب أصحابنا أن إزالة الحدث توجب استعمال الماء ولا معنى؛ لهذا الخلاف إذ لا نص فيه.

وإنما لم يأخذ الماء حكم الاستعمال في مسألة طلب الدلو لمكان الضرورة إذ الحاجة إلى الانغماس في البئر لطلب الدلو مما يتكرر فلو احتاجوا إلى الغسل عند نزح ماء البئر كل مرة لحرجوا حرجا عظيما وصار كالمحدث إذا اغترف الماء بكفه لا يصير مستعملا بلا خلاف، وإن وجد إسقاط الفرض لمكان الضرورة بخلاف ما إذا أدخل غير اليد فيه صار الماء مستعملا. اهـ وعن أبي حنيفة أن الرجل طاهر؛ لأن الماء لا يعطي له حكم الاستعمال قبل الانفصال من العضو وقال الزيلعي والهندي وغيرهما تبعا لصاحب الهداية وهذه الرواية أوفق الروايات أي للقياس وفي فتح القدير وشرح المجمع أنه الرواية المصححة اهـ وتعليلهم هذا يفيد

أنه لو تمضمض واستنشق داخل البئر قبل انفصاله لا يخرج عن الجنابة لصيرورة الماء مستعملا قبل الانفصال، وقد صرح به في السراج الوهاج فعلم بما قررناه أن المذهب المختار في هذه المسألة أن الرجل طاهر، والماء طاهر غير طهور أما كون الرجل طاهرا على الصحيح فقد علمته وأما كون الماء مستعملا كذلك على الصحيح فقد علمته أيضا مما قدمناه قيدنا أصل المسألة بالجنب؛ لأن الطاهر إذا انغمس لطلب الدلو ولم يكن على أعضائه نجاسة لا يصير الماء مستعملا اتفاقا لعدم إزالة الحدث وإقامة القربة، وإن انغمس للاغتسال صار مستعملا اتفاقا لوجود إقامة القربة وحكم الحدث حكم الجنابة ذكره في البدائع، وكذا حكم الحائض والنفساء إذا نزلا بعد الانقطاع أما قبل الانقطاع، وليس على أعضائهما نجاسة، فإنهما كالطاهر إذا انغمس للتبرد

.[البحر الرائق شرح كنز الدقائق ومنحة الخالق وتكملة الطوري،كتاب الطهارة، حكم الماء المستعمل(١/ ١٠٢-١٠٣) الناشر: دار الكتاب الإسلامي] ختم شد

ماء مستعمل(مقدمہ اولیٰ) اذا انفصل عن جسده سے ہوتا ہے، کیونکہ امام صاحبؒ کی روایت ہے کہ یہ نجس ہے اس لیے پرانے فقہاء نہ دھوتے وقت گلے میں چادر لٹکاتے تھے تاکہ (مستعمل پانی) کپڑوں کو نہ لگے۔

دوسری تعریف اذا استقر فی موضع ہے۔اب ہمارے نزدیک ماء و جنبی دونوں نجس ہونگے۔

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا التَقَى الخِتَانَانِ وَجَبَ الغُسْلُ

اب موجبات غسل کا بیان ہے۔کمامر بیانہ

بَابٌ فِيمَنْ يَسْتَيْقِظُ فَيَرَى بَلَلاً وَلاَ يَذْكُرُ احْتِلاَمًا

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ خَالِدٍ الخَيَّاطُ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنِ القَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ يَجِدُ البَلَلَ وَلاَ يَذْكُرُ احْتِلاَمًا؟ قَالَ: يَغْتَسِلُ، وَعَنِ الرَّجُلِ يَرَى أَنَّهُ قَدْ احْتَلَمَ وَلَمْ يَجِدْ بَلَلاً؟ قَالَ: لاَ غُسْلَ عَلَيْهِ، قَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: يَا رَسُولَ اللهِ، هَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ تَرَى ذَلِكَ غُسْلٌ؟ قَالَ: نَعَمْ، إِنَّ النِّسَاءَ شَقَائِقُ الرِّجَالِ.

اگر احتلام یاد ہے بلل نہیں تو غسل واجب نہیں ہے۔احتلام دلیل انی کو دخل ہے۔یعنی انتقال من العلۃ الی المعلول ہے مناطقہ کے نزدیک لمی قوی ہے۔تو یہ مناطقہ کے منافی نہیں کیونکہ نوم دوسرا عالم ہے اور ضعیف ہے۔وہاں لمی معتبر ہو تو وہاں وہ بھی ضعیف ہے۔کیونکہ عالم ضعیف ہے۔حدیث میں بلۃ ہے جو بول کو بھی شامل ہے۔فقہاء بلۃ سے بلۃ نطفہ مراد لیتے ہیں۔ نوم کو یقظہ پر قیاس کرتے ہیں کہ یقظہ میں بلۃ نطفہ سے غسل واجب کرتے ہیں اسی طرح نوم میں بھی یہی لیا جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي المَنِيِّ وَالمَذْيِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو السَّوَّاقُ البَلْخِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ (ح) وحَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلاَنَ، قَالَ: حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الجُعْفِيُّ، عَنْ زَائِدَةَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَذْيِ، فَقَالَ: مِنَ الْمَذْيِ الوُضُوءُ، وَمِنَ الْمَنِيِّ الغُسْلُ.

اسمیں بھی بشہوۃ کی قید عند الاحناف لگائی جائیگی۔

بَابٌ فِي المَذْيِ يُصِيبُ الثَّوْبَ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ عُبَيْدٍ هُوَ ابْنُ السَّبَّاقِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، قَالَ: كُنْتُ أَلْقَى مِنَ الْمَذْيِ شِدَّةً وَعَنَاءً، فَكُنْتُ أُكْثِرُ مِنْهُ الغُسْلَ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَسَأَلْتُهُ عَنْهُ، فَقَالَ: إِنَّمَا يُجْزِئُكَ مِنْ ذَلِكَ الوُضُوءُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، كَيْفَ بِمَا يُصِيبُ ثَوْبِي مِنْهُ، قَالَ: يَكْفِيكَ أَنْ تَأْخُذَ كَفًّا مِنْ مَاءٍ فَتَنْضَحَ بِهِ ثَوْبَكَ حَيْثُ تَرَى أَنَّهُ أَصَابَ مِنْهُ.هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، لاَ نَعْرِفُهُ إِلاَّ مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ فِي الْمَذْيِ مِثْلَ هَذَا. وَقَدْ اخْتَلَفَ أَهْلُ العِلْمِ فِي الْمَذْيِ يُصِيبُ الثَّوْبَ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: لاَ يُجْزِئُ إِلاَّ الغَسْلُ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَإِسْحَاقَ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: يُجْزِئُهُ النَّضْحُ وقَالَ أَحْمَدُ: أَرْجُو أَنْ يُجْزِئَهُ النَّضْحُ بِالمَاءِ.

عند الامام والشافعی غسل ہے اور عند احمد نضح ہے عملاً علی ظاہر الروایۃ۔

الجواب: یہاں نضح بمعنی غسل ہے جیسا کہ باب الحیض *میں نضح بمعنی غسل خفیف ہے۔*

بَابٌ فِي المَنِيِّ يُصِيبُ الثَّوْبَ

حدثنا هناد، قال: حدثنا أبو معاوية، عن الأعمش، عن إبراهيم، عن همام بن الحارث، قال: ضاف عائشة ضيف، فأمرت له بملحفة صفراء، فنام فيها، فاحتلم، فاستحيا أن يرسل بها وبها أثر الاحتلام، فغمسها في الماء، ثم أرسل بها، فقالت عائشة: لم أفسد علينا ثوبنا؟ إنما كان يكفيه أن يفركه بأصابعه، وربما فركته من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم بأصابعي. هذا حديث حسن صحيح. وهو قول غير واحد من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، ومن بعدهم من الفقهاء مثل: سفيان، وأحمد، وإسحاق، قالوا: في المني يصيب الثوب يجزئه الفرك وإن لم يغسل.

باب غسل المني من الثوب

حدثنا أحمد بن منيع، قال: حدثنا أبو معاوية، عن عمرو بن ميمون بن مهران، عن سليمان بن يسار، عن عائشة، أنها غسلت منيا من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم. هذا حديث حسن صحيح.وحديث عائشة أنها غسلت منيا من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم، ليس بمخالف

لحديث الفرك، لأنه وإن كان الفرك يجزئ فقد يستحب للرجل أن لا يرى على ثوبه أثره، قال ابن عباس: المني بمنزلة المخاط، فأمطه عنك ولو بإذخرة.

عند الامام منی نجس ہے اوراسے غسل کرناچاہئے اور عند الشافعیؒ طاہر اور فرک کافی ہے۔

دلیل امام: وہ روایت عائشہ رضی اللہ عنہا جس میں غسل ہے۔[1]

اور دلیل امام شافعیؒ روایت الباب ہے۔

الجواب من الشوافع: جن روایات میں غسل منی آیاہے وہ نجاست کیوجہ سے نہیں نظافت کے لیے ویسے حکم فرمایاہے۔

الجواب من الامامؒ: جب منی خشک ہو جائے تو نجس اگرچہ ہے لیکن چونکہ ذی جرم ہوتی ہے اپنی رطوبت کو کھینچ لیتی ہے۔اس لیے فرک سے پاک ہو جاتی ہے اگر رطب ہو یا رقیق ہو تو پھر دھونا لازم ہے

دوسرا جواب یہ طحاوی نے دیاہے کہ ان کپڑوں میں کرتی تھیں جن کو رات میں اوڑھتے تھے نہ کہ اثواب صلوٰۃ میں۔[2]

ثانی دلیل شوافع: ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایاکہ منی مخاط کی طرح ہے اسے زائل کردو اگرچہ گھاس سے ہو۔

الجواب: مثل مخاط طہارت میں نہیں بلکہ شباہت صوری میں ہے۔

دلیل ثالث شافعیؒ: منی سے انبیاء پیداءہوئے ہیں اور وہ نجس نہیں ہوتے مادۃًصورتاًلہٰذا منی پاک ہے۔

الجواب من الامامؒ: حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے نجاستوں کو شمار کرتے وقت دم و منی کو شمار کیاہے[3]۔

١- حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ المُبَارَكِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ مَيْمُونٍ الجَزَرِيُّ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: «كُنْتُ أَغْسِلُ الجَنَابَةَ مِنْ ثَوْبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَخْرُجُ إِلَى الصَّلاَةِ، وَإِنَّ بُقَعَ المَاءِ فِي ثَوْبِهِ»[صحيح البخاري،بَابُ غَسْلِ المَنِيِّ وَفَرْكِهِ، وَغَسْلِ مَا يُصِيبُ مِنَ المَرْأَةِ (١/ ٥٥)]

٢- قال أبو جعفر: فثبت بما ذكرنا أن رسول الله صلى الله عليه وسلم , لم يكن يصلي في الثوب الذي ينام فيه إذا أصابه شيء من الجنابة , وثبت أن ما ذكره الأسود وهمام عن عائشة رضي الله عنها عن النبي صلى الله عليه وسلم , إنما هو في ثوب النوم , لا في ثوب الصلاة. فكان من الحجة لأهل القول الأول على أهل القول الثاني في ذلك۔[شرح معاني الآثار، باب حكم المني هل هو طاهر أم نجس؟ (١/ ٥٠) الناشر: عالم الكتب،الطبعة: الأولى - ١٤١٤ هـ، ١٩٩٤ م]

٣- عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ , قَالَ: أَتَى عَلَيَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا عَلَى بِئْرٍ أَدْلُو مَاءً فِي رَكْوَةٍ لِي , فَقَالَ: «يَا عَمَّارُ مَا تَصْنَعُ؟» , قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ بِأَبِي وَأُمِّي , أَغْسِلُ ثَوْبِي مِنْ نُخَامَةٍ أَصَابَتْهُ , فَقَالَ: " يَا عَمَّارُ إِنَّمَا يُغْسَلُ الثَّوْبُ مِنْ

باقی انبیاء علیہم السلام کے کچھ اصول پاک ہیں اور کچھ اصول ناپاک کہ جب منی خون بنتا ہے تو خون تو قطعاً نجس ہے۔ اگر منی طاہر کہیں تو خون کو بھی پاک کہنا چاہیے۔

بَابُ فِي الجُنُبِ يَنَامُ قَبْلَ أَنْ يَغْتَسِلَ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنَامُ وَهُوَ جُنُبٌ وَلاَ يَمَسُّ مَاءً.

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفِيانَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، نَحْوَهُ. وَهَذَا قَوْلُ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، وَغَيْرِهِ. وَقَدْ رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ، عَنِ الأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ كَانَ يَتَوَضَّأُ قَبْلَ أَنْ يَنَامَ. وَهَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الأَسْوَدِ. وَقَدْ رَوَى عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ هَذَا الحَدِيثَ شُعْبَةُ، وَالثَّوْرِيُّ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، وَيَرَوْنَ أَنَّ هَذَا غَلَطٌ مِنْ أَبِي إِسْحَاقَ.

بَابٌ فِي الوُضُوءِ لِلْجُنُبِ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ عُمَرَ، أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَنَامُ أَحَدُنَا وَهُوَ جُنُبٌ؟، قَالَ: نَعَمْ، إِذَا تَوَضَّأَ.

حدیثین میں تعارض ہے کہ آیا وضوء کر کے سونا چاہیے یا نہ؟

دفع تعارض ترمذی نے کیا کہ انھوں نے وضوء والی کو قوی اور دوسری کو وہم ابی اسحق قرار دیا، ان پر اعتراض کیا گیا کہ جب تطبیق ہو سکتی ہے تو پھر ابی اسحق کو ضعیف کہہ کر حدیث کو ضعیف (کیوں) کر دیا؟

طریق تطبیق: لایمس ماء جواز ہے اور وضوء والی مستحب پر ہے۔ دوسری تطبیق۔ لایمس ماء میں ماءً سے غسل کی نفی ہے نہ ہر قسم کے ماء کی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مُصَافَحَةِ الجُنُبِ

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ القَطَّانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ الطَّوِيلُ، عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُزَنِيِّ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَهُ وَهُوَ جُنُبٌ، قَالَ: فَانْبَجَسْتُ، فَاغْتَسَلْتُ، ثُمَّ جِئْتُ، فَقَالَ: أَيْنَ كُنْتَ؟، أَوْ أَيْنَ ذَهَبْتَ؟، قُلْتُ: إِنِّي كُنْتُ جُنُبًا، قَالَ: إِنَّ الْمُسْلِمَ لاَ يَنْجُسُ.

خَمْسٍ: مِنَ الْغَائِطِ وَالْبَوْلِ وَالْقَيْءِ وَالدَّمِ وَالْمَنِيِّ , يَا عَمَّارُ , مَا نُخَامَتُكَ وَدُمُوعُ عَيْنَيْكَ وَالْمَاءُ الَّذِي فِي رَكْوَتِكَ إِلَّا سَوَاءٌ ". لَمْ يَرْوِهِ غَيْرُ ثَابِتِ بْنِ حَمَّادٍ وَهُوَ ضَعِيفٌ جِدًّا , وَإِبْرَاهِيمُ , وَثَابِتٌ ضَعِيفَانِ۔ سنن الدارقطني،بَابُ نَجَاسَةِ الْبَوْلِ وَالْأَمْرِ بِالتَّنَزُّهِ مِنْهُ وَالْحُكْمِ فِي بَوْلِ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ (١/ ٢٣٠) الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت لبنان،١٤٢٤ هـ - ٢٠٠٤ م

«إِنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ»ای بحیث لایصافح ولایتکلم وان کان نجساً بمعنی وجب الغسل ہے۔
واعترض علیه ان کافراً لاینجس بهذاالمعنی فتخصیص المؤمن لغوٌ۔ فان أرید عدم نجاسة المؤمن بالاعتبارفهو لیس بمناسب للمقام وان ارید عدم النجاسة بالجنابة فتخصیصص المؤمن لغوٌ۔
الجواب ۔ علی تقدیر اختیارالشق الثانی ۔ ان تخصیص المؤمن لکونه مجتنباً عن النجاسة وان کان الکافرنجس لکنه لایجتنب عن النجاسة بخلاف المؤمن فلذاخصه فلایرد مایرد۔ عرق الجنب طاہر۔

بَابُ التَّيَمُّمِ لِلْجُنُبِ إِذَا لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، وَمَحْمُودُ بْنُ غَيْلاَنَ، قَالاَ: حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ خَالِدٍ الحَذَّاءِ، عَنْ أَبِي قِلاَبَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ بُجْدَانَ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الصَّعِيدَ الطَّيِّبَ طَهُورُ الْمُسْلِمِ، وَإِنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِينَ، فَإِذَا وَجَدَ الْمَاءَ فَلْيُمِسَّهُ بَشَرَتَهُ، فَإِنَّ ذَلِكَ خَيْرٌ.

وَيُرْوَى عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ: أَنَّهُ كَانَ لاَ يَرَى التَّيَمُّمَ لِلْجُنُبِ، وَإِنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ.

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ عدم تیمم سیاستاً تھا، ورنہ وہ نفس تیمم کے قائل تھے۔

بَابٌ فِي الْمُسْتَحَاضَةِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، وَعَبْدَةُ، وَأَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: جَاءَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي امْرَأَةٌ أُسْتَحَاضُ فَلاَ أَطْهُرُ، أَفَأَدَعُ الصَّلاَةَ؟ قَالَ: لاَ، إِنَّمَا ذَلِكِ عِرْقٌ، وَلَيْسَتْ بِالحَيْضَةِ، فَإِذَا أَقْبَلَتِ الحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلاَةَ، وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّي. قَالَ أَبُو مُعَاوِيَةَ فِي حَدِيثِهِ: وَقَالَ: تَوَضَّئِي لِكُلِّ صَلاَةٍ حَتَّى يَجِيءَ ذَلِكَ الوَقْتُ.

وَفِي البَابِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ. حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَهُوَ قَوْلُ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ. وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَمَالِكٌ، وَابْنُ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيُّ: أَنَّ الْمُسْتَحَاضَةَ إِذَا جَاوَزَتْ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا اغْتَسَلَتْ وَتَوَضَّأَتْ لِكُلِّ صَلاَةٍ.

مستحاضہ عورتیں احناف میں چار قسم پر ہیں۔ مبتدءة۔ معتادة۔ متحیرہ، *اور عند الشوافع چوتھی قسم* ممیزہ ۔

ممیزہ وہ عورت ہے کہ جسے زمانہ ء حیض میں سیاہ خون آئے اور بعد میں زرد یا مٹی کی طرح خون آئے۔

عند الاحناف یہ قسم نہیں کیونکہ ان کے نزدیک سب خون حیض ہیں الا یہ کہ سفید پانی آجائے۔

قسم اول: مستحاضه مبتدءة ای بلغت مستحاضة۔

معتادۃ وہ جس کی پہلے عادت حیض ہو پھر مستحاضہ بن گئی ہو۔

حکم (معتادہ کا حکم): اس کے ایام عادت حیض کے ہوں گے اور باقی استحاضہ ہو گا اور استحاضہ میں کئی اختلاف ہیں۔

۱۔ آیا یہ لوقت کل صلوٰۃ وضوء کرے یا لکل لصلوۃ وضو کرے یعنی فرض نماز۔

۲۔ دوسرا اختلاف قبل وقت وضوء کرے تو یہ وضوء آئندہ وقت جس کے لیے وضوء کیا اس میں کافی ہو گا یا نہیں؟۔ امام صاحبؒ جائز فرماتے ہیں اور زفرؒ ناجائز کیونکہ عند الامامؒ دخول ناقص نہیں خروج ناقص۔

اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دخول و خروج دونوں ناقص ہیں۔

۳۔ آیا جمع بین الصلوتین کرے یا غسل لکل صلوۃ کرے یا وضوء کرے۔

۴۔ اقل الحیض تین دن اور اکثر دس دن اور عند الشافعیؒ اقل ایک دن اور اکثر پندرہ دن۔

۵۔ پانچواں اختلاف: اقل مدت طہر عند الاحناف پندرہ دن ہے اور عند الاکثر کوئی نہیں اور عدت نفاس اکثر اربعون یوماً ہے عند الاحناف اور عند البعض ساٹھ دن اور اقل نفاس کا کوئی درجہ نہیں۔

معتادہ: وہ جسے عادت معروفہ ہو اگر عادت کے مطابق آئے تو فبھا اگر عادت سے زائد اور مدت حیض سے بھی زائد ہو تو عادت کے ایام حیض باقی استحاضہ اور اگر عادت سے زائد لیکن مدت اکثر حیض سے کم تو سب حیض شمار ہو گا۔

اسی طرح نفاس بھی اگر عادت سے اور چالیس سے زائد ہو تو ایام عادت نفاس اور باقی سب استحاضہ۔ اور اگر عادت سے زائد ہو جائے اور چالیس سے کم ہو تو سب نفاس ہو گا۔

متحیرہ معتادہ کو جب خون عادت سے زائد ہو جائے اور پہلا عشرہ وایام عادت بھی یاد نہ رہے تو وہ متحیرہ ہے اس کو تحری کرنی چاہیئے جو تحری میں آئے کہ اتنے دن عادت تھی تو اسے حیض قرار دے باقی استحاضہ جیسا کہ شاک فی الصلوۃ (نماز میں شک ہو جانے والے) کے لیے تحری ضروری ہے۔

مستحاضہ معذور اس وقت ہو گی جبکہ پورا وقت نماز اس پر بغیر استحاضہ نہ گزرے اسے آخر وقت تک انتظار کرنا چاہیے اگر اس وقت نہ بند ہو تو اسی عذر سے نماز پڑھ لے۔ یہی حکم چوٹ لگنے والے آدمی کا ہے۔[1]

---

[1] مطلب یہ ہے کہ استحاضہ کا خون اس طرح مسلسل ہو کہ خون رک کر اتنا وقفہ بھی نہ ملے کہ جس میں وضو کر کے صرف فرض نماز پڑھ سکے اور اسی حالت میں پوری ایک نماز کا وقت گزرنے لگ جائے تو یہ معذور ہے، آخری وقت جس میں وضو اور فرض پڑھنے کی گنجائش ہو اس میں وضو کر کے نماز پڑھے اس کے بعد اگلی آنے والی نمازوں کے اوقات بھی معذور شمار ہو گی بشرطیکہ پورے نماز کے وقت میں کم از کم ایک بار عذر پایا جائے پھر پورے وقت میں عذر کا مسلسل ہونا شرط نہیں ہاں اگر کسی نماز کا وقت ایسا گزرا کہ پورے وقت میں عذر بالکل بھی

پہلا اختلا ف ،عند الشافعیؒ مستحاضہ لکل صلوۃ وضوء کرے اور عند الاحناف عندوقت کل صلوۃ کرے۔
دلیل:المُستَحاضةُ تتوَضَّأ لكُلِّ صلاةٍ-[1]

الجواب۔حدیث شافعیؒ مؤول ہے یامرجح ہے یامتروک۔مؤول اس طرح کہ لکل صلوۃ میں لازم وقت ہے جیسا کہ {أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي}[2]۔اور{أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ}[3]اور مرجح اس طرح کہ کہ صلوٰۃ بمعنی وقت آیا ہے جیسے کہ إِنَّ لِلصَّلَاةِ أَوَّلاً وَآخِرًا[4]، معنی یہ کہ إِنَّ لِوقت الصَّلَاةِ تو یہاں بھی صلوٰۃ بمعنیٰ وقت ہے تو معنیٰ اس کا وہی ہوا۔
دوسرا اختلاف لوقت کل صلوٰۃ میں ہے آیا وقت کل صلوٰۃ سے خروج ہے یا دخول؟

عند الامامؒ فقط خروج وقت سے وضوء ٹوٹے گا۔اور عند ابی یوسفؒ دخول وخروج دونوں سے۔اور عند زفرؒ فقط دخول سے حتی کہ اگر کسی نے قبل دخول وقت وضوء کیا تو عند ابی یوسفؒ وزفر وقت آنے پر وضوء ٹوٹ جائے گا اور عند الامامؒ نہیں۔

دلیل امام خروج سے نقض کی نظیر شریعت میں ہے اور دخول سے نقض کی نظیر نہیں جیسا کہ مسح خف خروج وقت سے باطل ہو جاتا ہے دخول سے نہیں۔

تیسرا مسئلہ اختلاف حدیث میں ہے کہ مستحاضہ جمع بین الصلوتین بغسل واحد کرے پھر جمع صوری ہونی چاہیے یا وقتی۔صوری اسی طرح کہ ایک نماز اس کے آخری وقت میں لے جائے اور دوسری اول وقت میں پڑھے۔

نہیں پایا گیا تو اب معذور ہونا ختم ہو جائے گا اور آئندہ دوبارہ معذور ہونے کے لیے وہی شرط ہو گی جو شروع میں معذور بننے کے لیے بیان ہوئی۔اور یہی حکم دیگر معذورین کا ہے جیسے سلسل البول کی بیماری والا،انفلات ریح کا مریض،نکسیر کا مریض اور زخم اور پھوڑے سے مسلسل خون اور پیپ نکلنے والا مریض وغیرہ۔(م-ض)

١۔ وروى هشامُ بنُ عُروة، عن أبيه: المُستَحاضةُ تتوَضَّأ لكُلِّ صلاةٍ۔ [سنن أبي داود ، باب من قال: تغتسل من طُهر إلى طُهر (١/ ٢٢٢) الناشر: دار الرسالة العالمية، ، ١٤٣٠ هـ- ٢٠٠٩ م]

٢- [طه: ١٤]

٣ -[الإسراء: ٧٨]

٤ -سنن الترمذي، بَابُ مَا جَاءَ فِي مَوَاقِيتِ الصَّلاَةِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (١/ ٢٢٠)
إن للصلاة أولا وآخرا [مسند أحمد،مسند ابی هريرة (١٢/ ٩٤)]

ایک حدیث میں ہے کہ جمع بغسل واحد کرے اور ایک میں ہے کہ جدا جدا کرے ایک میں ہے کہ غسل کرے۔کمامر فی الترمذی ، تطبیق یہ کہ غسل لکل صلوۃ متحیرہ کرے یا یہ کہ غسل نظافت کے لیے یا یہ استحبابی امر ہے اور علاج بندش خون کا فرمایا۔

اور غسل واحد سے دو نمازیں پڑھنا عند الامام والشافعیؒ دونوں کے نزدیک جائز نہیں۔

عندالاحناف اس لیے کہ جب ایک نماز پڑھی تو اس کا قت نکلا تو اس کا وضوء ٹوٹ گیا اور عند الشافعیؒ صرف نماز پڑھنے سے وضوء ٹوٹ جائے گا۔

استحاضہ کی روایات تین صحابیات سے ہیں۔حمنہ بنت جحش، ام حبیبہ بنت جحش، فاطمہ بنت جحش رضی اللہ عنہن، ان میں سے کسی کو وضوء، کسی کو غسل، کسی کو جمع بین الصلوٰتین کا حکم فرمایا۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْمُسْتَحَاضَةَ تَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلاَةٍ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ أَبِي اليَقْظَانِ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ فِي الْمُسْتَحَاضَةِ: تَدَعُ الصَّلاَةَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا الَّتِي كَانَتْ تَحِيضُ فِيهَا، ثُمَّ تَغْتَسِلُ وَتَتَوَضَّأُ عِنْدَ كُلِّ صَلاَةٍ، وَتَصُومُ وَتُصَلِّي.

عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ: عن ابیہ عن جدہ مرجع ہر جگہ اہم ہوتا ہے، پہلے کو مرجع بنانا اہم ہوتا ہے جیسا کہ یہاں عدی ہے۔لیکن عن عمروبن شعیب عن ابیہ عن جدہ میں جدہ کی ضمیر پہلے راوی عمرو کی طرف نہیں بلکہ شعیب کی طرف ہے،لہٰذا اصل میں عن ابیہ عن جدابیہ تھا لیکن تکرار لفظی کی وجہ سے عن ابیہ ثانی کی جگہ عن جدہ لے آئے ہیں۔[1]

بَابُ مَا جَاءَ فِي الحَائِضِ أَنَّهَا لَا تَقْضِي الصَّلَاةَ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلاَبَةَ، عَنْ مُعَاذَةَ، أَنَّ امْرَأَةً سَأَلَتْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: أَتَقْضِي إِحْدَانَا صَلاَتَهَا أَيَّامَ مَحِيضِهَا؟ فَقَالَتْ: أَحَرُورِيَّةٌ أَنْتِ؟ قَدْ كَانَتْ إِحْدَانَا تَحِيضُ فَلاَ تُؤْمَرُ

---

[1] عمرو کا سلسلہ نسب یوں ہے: عمرو بن شعیب بن محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن العاص، تو عمرو کا باپ شعیب اور دادا محمد ہے، اب اگر جدہ کی ضمیر کا مرجع عمرو کو مانیں تو ایسی صورت میں راوی عمرو کے جد محمد ہونگے اور اگر جدہ کے ضمیر کا مرجع شعیب کو مانیں تو ایسی صورت میں راوی حدیث عبد اللہ ہونگے، حضرت مولانا رسول خان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جدہ کی ضمیر شعیب کی طرف لوٹتی ہے تو اس اعتبار سے راوی عبد اللہ بن عمرو ہوئے۔واللہ اعلم (م-ض)

بِقَضَاءٍ.[1] هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَائِشَةَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ أَنَّ الحَائِضَ لاَ تَقْضِي الصَّلاَةَ. وَهُوَ قَوْلُ عَامَّةِ الفُقَهَاءِ لاَ اخْتِلاَفَ بَيْنَهُمْ فِي أَنَّ الحَائِضَ تَقْضِي الصَّوْمَ وَلاَ تَقْضِي الصَّلاَةَ.

اعتراض: حیض کی نجاست نماز وصوم کے مانع ہے تو دونوں کی قضاء واداء نہ ہونی چاہیے۔

الجواب: دونوں کی منافات میں فرق ہے۔

نماز مفہوماً منافی نجاست ہے بخلاف صوم کے، وہ منافی اتنا نہیں اسی وجہ سے جنبی روزہ رکھ سکتا ہے اور حیض میں روزہ نہ رکھنا قیاس کے خلاف ہے لہٰذا اپنے مورد پر بند ہوگی؛ فلایقاس علیها الصلوة۔

اور صوم کا حائض پر وجوب تو ہے قضاءً، اداءً نہیں۔ بخلاف صلوٰۃ کا اس کا بوجہ نجاست وجوب ہی نہیں لہٰذا قضاء نہ ہوگی۔ وجہ ثانی: قضاء صلوٰۃ میں حرج زیادہ ہے بنسبت قضاء صوم کے۔ والأصح هوالأول أن لاوجوب عليها۔

حرورية[2]: حرورۃ علاقہ خوارج ہے، وہ قائل ہیں کہ جس طرح قضاء صوم علی الحائض ہے اسی طرح قضاء صلوٰۃ بھی ہے۔ خوارج وہ لوگ ہیں جبکہ جنگ صفین میں فریقین نے دو حکم بنائے تو انھوں نے ان الحکم الاللہ کے تحت سب کی تکفیر کی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الجُنُبِ وَالحَائِضِ أَنَّهُمَا لَا يَقْرَآنِ القُرْآنَ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، وَالحَسَنُ بْنُ عَرَفَةَ، قَالاَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لاَ تَقْرَأِ الحَائِضُ، وَلاَ الجُنُبُ شَيْئًا مِنَ القُرْآنِ.

بعض نے کہا جنبی بالکل نہیں پڑھ سکتا بخلاف حائض کے کہ اسے کچھ اجازت ہے، بوجهين:۔ ا۔ جنابت امر اختیاری ہے بخلاف حیض، ۲۔ جنابت غسل سے زائل ہو سکتی ہے بخلاف حیض کے کہ وہ (حائضہ) قبل از بندش غسل کرنے سے پاک نہیں ہوتی اس وجہ سے اسے اجازت ہے تاکہ ایام حیض میں قرآن نہ بھول جائے۔ باقی حدیث میں دونوں کو منع ہے۔

۱۔ صحیح مسلم کی روایت اس مضمون میں اور زیادہ واضح ہے: وحدثنا عبد بن حميد، أخبرنا عبد الرزاق، أخبرنا معمر، عن عاصم، عن معاذة، قالت: سألت عائشة فقلت: ما بال الحائض تقضي الصوم، ولا تقضي الصلاة. فقالت: أحرورية أنت؟ قلت: لست بحرورية، ولكني أسأل. قالت: «كان يصيبنا ذلك، فنؤمر بقضاء الصوم، ولا نؤمر بقضاء الصلاة»[صحيح مسلم ، باب وجوب قضاء الصوم على الحائض دون الصلاة (١/ ٢٦٥) الناشر: دار إحياء التراث العربي – بيروت]

٢ -(هم الحرورية) ، بفتح الحاء المهملة وضم الراء الأولى هم طائفة خوارج ينسبون إلى حروراء قرية بقرب الكوفة۔[عمدة القاري شرح صحيح البخاري،باب قوله: {قل هل ننبئكم بالأخسرين أعمالا} (١٩/ ٤٩) الناشر: دار إحياء التراث العربي – بيروت]

بَابُ مَا جَاءَ فِي مُبَاشَرَةِ الحَائِضِ

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مِنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حِضْتُ يَأْمُرُنِي أَنْ أَتَّزِرَ، ثُمَّ يُبَاشِرُنِي.

مباشرت لغت میں زوجین کا ننگے ملنا، جماع اسے مستلزم نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الحَائِضِ تَتَنَاوَلُ الشَّيْءَ مِنَ المَسْجِدِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبِيدَةُ بْنُ حُمَيْدٍ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ ثابِتِ بْنِ عُبَيْدٍ، عَنِ القَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَاوِلِينِي الخُمْرَةَ مِنَ الْمَسْجِدِ، قَالَتْ: قُلْتُ: إِنِّي حَائِضٌ، قَالَ: إِنَّ حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ فِي يَدِكِ. إِنَّ حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ فِي يَدِكِ.

اعتراض: اس سے معلوم ہوا کہ ہاتھ پاک ہے تو قرآن کو ہاتھ لگانا جائز ہونا چاہیے حالانکہ یہ آیت{ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ }[1] کے خلاف ہے۔

الجواب: حائضہ، نفساء اور جنب کے لیے دخول مسجد و عبادت کی ممانعت ہے، ایک عضو داخل کرنے سے دخول لازم نہیں ہوتا، مثلاً صرف ہاتھ مسجد میں داخل کرنا بخلاف مس قرآن کہ وہ عبادت نہیں عبادت قراءت ہے اور ذریعہ قراءت مس ہے اب ید حیض نجس بھی ہے اور غیر نجس بھی ہے، جیسا کہ ان المؤمن لاینجس بعض میں وہ نجس اور بعض میں وہ پاک ہے یہ ید حیض بذاتہ نجس ہے لیکن اس معنی میں نجس نہیں کہ مسجد میں ہاتھ کرنے سے مسجد نجس ہو اور مس قرآن چونکہ مقدمہ وذریعہ قراءت ہے اس لیے وہ منع ہو گا۔ نَاوِلِينِي الخُمْرَةَ: وہ جائے نماز آپ کی ذاتی تھی کبھی گھر میں رکھتے کبھی مسجد میں اس سے اثبات جواز استعمال وقف للغیر غلط ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ إِتْيَانِ الحَائِضِ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ أَتَى حَائِضًا، أَوِ امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا، أَوْ كَاهِنًا، فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ». لَا نَعْرِفُ هَذَا الحَدِيثَ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ حَكِيمٍ الأَثْرَمِ، عَنْ أَبِي تَمِيمَةَ الهُجَيْمِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَإِنَّمَا مَعْنَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ عَلَى التَّغْلِيظِ۔

مرتکب کبیرہ عند المعتزلہ واسطہ بین الکفر والاسلام، اور عند اہل سنۃ مؤمن رہتا ہے، اور عند الخوارج کافر ہے۔

۱۔ [الواقعة: ۷۹]

روایت الباب خوارج کا مستدل ہے۔ الجواب: یہ حکم توبیخی وزجری ہے اگر مستحل وطی ہو تو کفر ہے۔

«مَنْ أَتَى حَائِضًا، أَوِ امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا، أَوْ كَاهِنًا، فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ» کفر بمعنی فعل کفر کیا حقیقتاً کافر نہیں، کفر مآلاً ہے، کیونکہ گناہ کرتے کرتے پھر کفر تک پہنچا دینگے۔ ترمذی بھی تاویل کرتے ہیں کہ واطی کو کفارہ کا حکم اور کفارہ کافر کو لازم نہیں آتا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الكَفَّارَةِ فِي ذَلِكَ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شَرِيكٌ، عَنْ خُصَيْفٍ، عَنْ مِقْسَمٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّجُلِ يَقَعُ عَلَى امْرَأَتِهِ وَهِيَ حَائِضٌ، قَالَ: يَتَصَدَّقُ بِنِصْفِ دِينَارٍ.

کفارہ زجراً ہے تاکہ مال کی محبت میں پھر یہ کام نہ کرے ورنہ توبہ کے بغیر معافی نہیں ہوسکتی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي غَسْلِ دَمِ الحَيْضِ مِنَ الثَّوْبِ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ، عَنْ أَسْمَاءَ ابْنَةِ أَبِي بَكْرٍ، أَنَّ امْرَأَةً سَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الثَّوْبِ يُصِيبُهُ الدَّمُ مِنَ الحَيْضَةِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: حُتِّيهِ، ثُمَّ اقْرُصِيهِ بِالمَاءِ، ثُمَّ رُشِّيهِ، وَصَلِّي فِيهِ.

امام صاحبؒ کے نزدیک قدر درہم معاف ہے زائد نہیں عند الشافعیؒ اقل الدرہم بھی معاف نہیں، امام احمدؒ وغیرہ کے نزدیک اکثر من الدرہم بھی معاف ہے۔

دلیل امام صاحبؒ مخرج بول کا درہم شرعی کے برابر ہے اور کئی صحابہ استنجاء بالماء نہ فرماتے تھے تو معلوم ہوا کہ مقدار درہم نجاست (جیسا کہ مخرج پر اتنی ہوتی ہے) معاف ہے۔ اور قدر درہم درمیان کف میں جتنا پانی آتا ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق آیا ہے کہ قدر درہم ان کا ناخن ہے جو بمنزلہ کف ہے اور بمنزل سے وہ حصہ کف مراد ہے جس میں پانی ٹھہرتا ہے۔

اور حضرت عمر طویل القامۃ تھے ان کا ناخن اتنا بڑا ہونا بعید نہیں، فلا اعتراض ۔ دلیل شافعیؒ آیت تطہیر میں قلیل و کثیر نجاست کی تفسیر نہیں عام ہے۔ اور دلیل احمدؒ عمل صحابی ہے کہ انہیں نماز میں تیر لگا۔ اور وہ نماز پڑھتے رہے۔ کمافی روایۃ البخاری۔ اور چوتھا مذہب یہ کہ قدر درہم بھی معاف نہیں۔

الجواب عن مستدل احمدؒ: یہ معلوم نہیں کہ صحابی کے اس فعل کا حضور ﷺ کو علم ہو لہذا قابل استدلال نہیں جبکہ دوسری احادیث سے نجاست دم بھی ثابت ہے کہ آپ نے نجاست شمار فرمائیں:

۱۔الدم ۲- والقئ ۳- المنی ۴-بول ۵-الغائط (رواہ دارقطنی)[1]

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَمْ تَمْكُثُ النُّفَسَاءُ

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: كَانَتْ النُّفَسَاءُ تَجْلِسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، فَكُنَّا نَطْلِي وُجُوهَنَا بِالوَرْسِ مِنَ الكَلَفِ.

عند الاحناف اکثر مدت اربعین یوما ہے عند الحسن خمسین یوماً اور عند عطاء ستین یوما ہے۔ مؤخر الذکر کو یا روایات نہ پہنچیں یا ان کا اعتبار نہ فرمایا۔ الورس بوٹی جو چہرے کے داغ مٹا دیتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَطُوفُ عَلَى نِسَائِهِ بِغُسْلٍ وَاحِدٍ

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَطُوفُ عَلَى نِسَائِهِ فِي غُسْلٍ وَاحِدٍ. وَفِي البَابِ عَنْ أَبِي رَافِعٍ. حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَهُوَ قَوْلُ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ مِنْهُمْ: الحَسَنُ البَصْرِيُّ: أَنْ لاَ بَأْسَ أَنْ يَعُودَ قَبْلَ أَنْ يَتَوَضَّأَ.

بعض روایات میں ہے کہ آپ دوسری زوجہ کے پاس جانے سے پہلے غسل یا وضوء فرماتے اور بعض میں ہے کہ آپ ﷺ آخر میں غسل فرماتے۔ اس پر فقہی حیثیت سے بھی کلام ہے اور گستاخی کی حیثیت سے بھی!

فقہی طریق اعتراض: اس طرح عمل سے ازواج کی تقسیم باری میں انصاف نہیں رہتا۔

الجواب: ا۔ عند البعض یہ وجوب تقسیم سے پہلے کا ہے بعد میں منسوخ ہوا ۲۔ آپ ﷺ پر واجب ہی نہیں تھا اگرچہ آپ ﷺ اس کی پابندی فرماتے تھے بدلیل {تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِي إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ }[2] ۔اس جگہ آپ ﷺ نے باری کا خیال نہ فرمایا کہ آپ ﷺ سفر سے تشریف لائے تھے، ابھی نوبتوں کا تعین ہی ہوا تھا۔

---

[1] عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ , قَالَ: أَتَى عَلَيَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا عَلَى بِئْرٍ أَدْلُو مَاءً فِي رَكْوَةٍ لِي , فَقَالَ: «يَا عَمَّارُ مَا تَصْنَعُ؟» , قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ بِأَبِي وَأُمِّي , أَغْسِلُ ثَوْبِي مِنْ نُخَامَةٍ أَصَابَتْهُ , فَقَالَ: " يَا عَمَّارُ إِنَّمَا يُغْسَلُ الثَّوْبُ مِنْ خَمْسٍ: مِنَ الْغَائِطِ وَالْبَوْلِ وَالْقَيْءِ وَالدَّمِ وَالْمَنِيِّ , يَا عَمَّارُ , مَا نُخَامَتُكَ وَدُمُوعُ عَيْنَيْكَ وَالْمَاءُ الَّذِي فِي رَكْوَتِكَ إِلَّا سَوَاءٌ ". لَمْ يَرْوِهِ غَيْرُ ثَابِتِ بْنِ حَمَّادٍ وَهُوَ ضَعِيفٌ جِدًّا , وَإِبْرَاهِيمُ , وَثَابِتٌ ضَعِيفَانِ۔ سنن الدارقطني،بَابُ نَجَاسَةِ الْبَوْلِ وَالْأَمْرِ بِالتَّنَزُّهِ مِنْهُ وَالْحُكْمِ فِي بَوْلِ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ (١/ ٢٣٠) الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت – لبنان،١٤٢٤ هـ-٢٠٠٤ م

[2] -[الأحزاب: ٥١]

گستاخانہ کلام: انگریزی ذہن کا گند کہ یہ شہوت پرستی ہے!

جواب:۱- آپ ﷺ کا مقصد نکاح سے شہوت نہیں اس وجہ سے آپ ﷺ نے ابکار ملنے کے باوجود ثیب سے سوائے عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح فرمایا۔

جواب:۲- شباب کے بعد اکثر نکاح فرمائے۔

مقدمه ثانیه : آپ ﷺ کے کام اکثر لنفسہ (اپنی ذات کے لیے) نہ ہوتے تھے بلکہ لغیرہ ہوتے تھے۔ جیسا کہ ترحم علی الصبیان وغیرہ، اسی طرح آپ ﷺ کا بیواؤں سے نکاح فرمانا غرض صرف ان کی نگہبانی، کفالت (یا تبلیغ دین کے لیے تالیف قلوب) ہے اور یہ بذات خود ثواب ہے، اکثر بیواؤں کے ساتھ نکاح کرنا اس غرض پر صریح دال ہے، جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا اپنی ستر یا کم وبیش ازواج پر ایک شب میں طواف سے غرض مجاہدین پیدا کرنا کار ثواب ہے، اگرچہ بظاہر نہیں، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا من ھذہ؟ پر اختی' فرمانا اگرچہ ظاہراً ارتکاب کذب معلوم ہوتا ہے۔ اپنے دین خیر کثیر کا بچاؤ کرنا کار ثواب ہے۔ وغیرہ امثلہ

ان خوبیوں کے ہونے کے باوجود اپنے اوپر نبی ؑ کو قیاس کرنا بے ایمانی و کفر ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلاَةُ وَوَجَدَ أَحَدُكُمُ الخَلاَءَ فَلْيَبْدَأْ بِالخَلاَءِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الأَرْقَمِ، قَالَ: أُقِيمَتِ الصَّلاَةُ فَأَخَذَ بِيَدِ رَجُلٍ فَقَدَّمَهُ، وَكَانَ إِمَامَ قَوْمِهِ، وَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلاَةُ وَوَجَدَ أَحَدُكُمُ الخَلاَءَ فَلْيَبْدَأْ بِالخَلاَءِ.

---

١ - حدثنا محمد بن محبوب، حدثنا حماد [ص:١٤١] بن زيد، عن أيوب، عن محمد، عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: " لم يكذب إبراهيم عليه السلام إلا ثلاث كذبات، ثنتين منهن في ذات الله عز وجل، قوله {إني سقيم} [الصافات: ٨٩]. وقوله: {بل فعله كبيرهم هذا} [الأنبياء: ٦٣].

وقال: بينا هو ذات يوم وسارة، إذ أتى على جبار من الجبابرة، فقيل له: إن ها هنا رجلا معه امرأة من أحسن الناس، فأرسل إليه فسأله عنها، فقال: من هذه؟ قال: أختي، فأتى سارة قال: يا سارة: ليس على وجه الأرض مؤمن غيري وغيرك، وإن هذا سألني فأخبرته أنك أختي، فلا تكذبيني، فأرسل إليها فلما دخلت عليه ذهب يتناولها بيده فأخذ، فقال: ادعي الله لي ولا أضرك، فدعت الله فأطلق، ثم تناولها الثانية فأخذ مثلها أو أشد، فقال: ادعي الله لي ولا أضرك، فدعت فأطلق، فدعا بعض حجبته، فقال:

إنكم لم تأتوني بإنسان، إنما أتيتموني بشيطان، فأخدمها هاجر، فأتته وهو قائم يصلي، فأومأ بيده: مهيا، قالت: رد الله كيد الكافر، أو الفاجر، في نحره، وأخدم هاجر " قال أبو هريرة تلك أمكم يا بني ماء السماء۔[صحيح البخاري،باب قول الله تعالى: {واتخذ الله إبراهيم خليلا}(٤/ ١٤٠)]

وَفِي البَابِ عَنْ عَائِشَةَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَثَوْبَانَ، وَأَبِي أُمَامَةَ. وجہ اس کی اذاابتليت ببليتين فاختراسهلهما[1]

امام صاحبؒ سے اس کا پوچھا گیا؛ فرمایا میرے نزدیک بہتر ہے کہ پیشاب کو نماز کردے اس سے کہ نماز کو پیشاب کردے۔هذااذاكان شديداً والا فلاباس بان يصلى فى حالته۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الوُضُوءِ مِنَ الْمَوْطَإِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُمَارَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أُمِّ وَلَدٍ لِعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَتْ: قُلْتُ لأُمِّ سَلَمَةَ: إِنِّي امْرَأَةٌ أُطِيلُ ذَيْلِي وَأَمْشِي فِي الْمَكَانِ القَذِرِ؟ فَقَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يُطَهِّرُهُ مَا بَعْدَهُ. وَفِي البَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لاَ نَتَوَضَّأُ مِنَ الْمَوْطَإِ. وَهُوَ قَوْلُ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ قَالُوا: إِذَا وَطِئَ الرَّجُلُ عَلَى الْمَكَانِ القَذِرِ أَنَّهُ لاَ يَجِبُ عَلَيْهِ غَسْلُ القَدَمِ إِلاَّ أَنْ يَكُونَ رَطْبًا فَيَغْسِلَ مَا أَصَابَهُ.

یہ حکم بظاہر کسی کے نزدیک معتبر نہیں کیونکہ یہ مخالف ہے{وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا }[2] کے، یہ متروک ہے یا منسوخ ہے یا اس پر محمول ہے کہ یہ نجاست یابس ہو ورنہ رطب کی صورت میں غسل فرض ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّيَمُّمِ

حدَّثَنَا أَبُو حَفْصٍ عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ الفَلاَّسُ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عَزْرَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَهُ بِالتَّيَمُّمِ لِلْوَجْهِ وَالكَفَّيْنِ. وَفِي البَابِ عَنْ عَائِشَةَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ. حَدِيثُ عَمَّارٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَمَّارٍ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ. وَهُوَ قَوْلُ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ: عَلِيٌّ، وَعَمَّارٌ، وَابْنُ عَبَّاسٍ، وَغَيْرِ وَاحِدٍ مِنَ التَّابِعِينَ، مِنْهُمْ: الشَّعْبِيُّ، وَعَطَاءٌ، وَمَكْحُولٌ قَالُوا: التَّيَمُّمُ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَالكَفَّيْنِ.التيمم فى اللغة القصد ثم خص فى الشريعة بقصد استعمال التراب للعبادة التى لاتودى الابالوضوء،وفيه اختلاف ،عندالبعض هورافع للحدث وعندالبعض ليس برافع بل مبيح للصلوة كالمعذورفان وضوء ه مبيح للصلوة لارافع الحدث ،لان الحدث يكون موجود فى ا لوقت لكن الشارع أباح الصلوة ۔

---

١ ۔ یہ اصول اس حدیث سے ماخوذ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے جب دو امور میں سے کسی ایک کو چننے کا اختیار ہوتا تو آپ آسان امر کو لیتے:عن عائشة رضي الله عنها، قالت: «ما خير النبي صلى الله عليه وسلم بين أمرين إلا اختار أيسرهما ما لم يأثم، فإذا كان الإثم كان أبعدهما منه، والله ما انتقم لنفسه في شيء يؤتى إليه قط، حتى تنتهك حرمات الله، فينتقم لله» [صحيح البخاري، باب إقامة الحدود والانتقام لحرمات الله (٨/ ١٦٠)]

٢- [الفرقان: ٤٨]

الاختلاف االثانی : عندالامام التیمم جائز للجنب ایضاً کالحائض والنفساء وعندالبعض (الشافعیؒ) لایجوز له التیمم لقوله تعالی أولامستم النساء وحِینئذ اللمس بمعنی مس المرءۃ لاالجماع فان حکم التیمم لمن مس المرءۃ لالمن جامع فلذا حکم الجنب فی الآیۃ الثانیۃ وان کنتم جنبا فاطهروا۔ فتعین له الغسل ـ فقط۔ وہوقول ابن مسعودرضی الله عنه وابن عباس رضی الله عنه وغیرہما من الصحابۃ رضی الله عنہم اجمعین ـ

الجواب عن الامام: اللمس فی الآیۃ بمعنی الجماع کمامرتفصیله فثبت حکم التیمم للجنب ایضاً۔

تفصیل اختلاف الأول ـ عندالامامؒ التیمم رافع للحدث ،لکن فقہاء الحنفیه اختلفوا فیما بینہم۔ عندالامامؒ التراب خلف عن الماء ـ وعندمحمدفعل المتیمم (ضربتین) بدل عن فعل الوضوء أو الغسل لقوله علیه السلام التیمم وضوء للغسل۔ (الوضوء بمعنی مصدری)

مستدل االامامؒ:قال علیه السلام عن أبی ذر أن الصید الطیب طہور للمسلم (ترمذی) ولفظ الطہوروأوردعلی الشافعیؒ لانه عنده لیس برافع فہذایدل علی انه رافع، ولفظ الصید رد علی محمدؒ۔

عندالشافعیؒ مبیح لانه اذاوجدالماء فی وقته فلاینقض تیممه بوجدان الماء بل ظہرحدثه الذی اغمض عنه الشارع۔ فعلم ان الحدث کان موجوداقبل کالمستحاضۃ ومن به سلسل البول حدثہم یکون موجود افی الوقت لکن اجاز له الشارع الصلوۃ مع وجود الحدث، ولانه تیمم جنب عند النبیﷺ فصلی فنہاہ عن ذالک وقال لیس بمعتبرٍ۔

الجواب عن الثانی: انه تیمم رجل عند وجدان ا لماء فقال علیه السلام ان تیممک لیس بمعتبر۔

المستدل الثانی للامامؒ: فتیمموا صعیدا طیباً الآیۃ فعلم منه ان الصعید خلف عن الماء ویظہر ثمرۃ الاختلاف بین الامامؒ ومحمدؒ ان المتوضئین لایجوز لهم اقتداء المتیمم اذاکان عندهم الماء ،لانه عندہم محدث لوجودالماء هذا عندالامامؒ وعند محمدؒ یجوزلهم۔

الاختلاف الثالث: عندالامام والشافعیؒ التیمم ضربتان ضربۃ للوجه وضربۃ ولليدين الی المرفقین ـ وعندالبعض ضربۃ للوجه ولليدين الی الرسغین۔ وعندالبعض ضربۃ للوجه وضربۃ لليدين الی نصف الذراع۔ وعندالبعض ضربۃ للوجه و لليدين الی الابطین ـ

پہلے مذہب میں عندالبعض پہلی ضرب وجه کے لیے اوردوسری صرف یدین کے لیے ہے اور عندالبعض دونوں ضربین وجه ویدین دونوں کے لیے مشترک ہیں ـ اورمذہب ثانی کی دلیل آیت ہے{فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ}[1] مسح مطلق ایک ضرب ہو یازائد۔لہذاایک ضرب بھی کافی ہے۔

---

[1] -[المائدۃ: ٦]

دلیل ثانی: اور وَأَيْدِيكُمْ سے مراد الی الرسغین لیتے ہیں۔ دلیل قول ابن عباس رضی اللہ عنہ کی؛ وہ فرماتے ہیں فاقطعوا ایدیهما میں قطع ید سے الی الرسغین مراد ہے لہذا یہاں بھی اتنامراد ہوگا۔ دوسری دلیل الی الرسغین پر حدیث عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ہے کہ سفر میں، میں اور عمر رضی اللہ عنہ جنبی ہوئے میں نے زمین پر اپنے پورے جسم کو خاک آلودہ کیا تو حضور ﷺ نے سنا تو فرمایا: «إنما كان يكفيك هكذا فضرب النبي صلى الله عليه وسلم بكفيه الأرض ونفخ فيهما ثم مسح بهما وجهه وكفيه(بخاری)». بعض جگہ الی الرسغین ہے بعض جگہ الی المرفقین ہے بعض میں ضربتان اور بعض میں ضربۃ واحدۃ ہے۔ لیکن صحیح عند البخاری الی الرسغین ہے اور امام ترمذیؒ نے حدیث عمار کو ترجیح دی ہے کہ الی المرفقین ہے۔ اس پر اعتراض وجواب ہے۔ ان شئت فانظرفی الکتاب

الاختلاف الرابع: پانی کا نہ ہونا صورتاً مثلاً مریض یا حقیقتاً معنیً دو قسم پر ہے، امام صاحبؒ کے نزدیک آخر وقت تک پانی ملنے کی اگر امید ہو تو وقت نکل بھی جائے تب بھی پانی ملنے پر نماز پڑھے اور زفرؒ وباقی ائمہؒ کے نزدیک بعد و قرب کو دخل ہے۔ اوراندازہ بعد ایک میل ہے ان کے نزدیک ایک میل اگر دور ہو تو وقت ہونے پر بھی نماز پڑھ سکتا ہے بالتیمم۔ اور بعض نے اندازہ بُعد اتنا فرمایا کہ اگر اس طرف جا کر وضوء کرے تو قافلہ نکل جائے۔

قال العلماء: اسٹیشن کے قریب یا اسٹیشن پر تیمم کرکے نماز نہ پڑھے، لہذا ریل گاڑی سے نکل کر بھی نماز نہ پڑھے کہ مبادا ریل چل جائے۔ اسٹیشن سے چلنے کے بعد تیمم کرکے نماز پڑھے، قبلہ اگر معلوم نہ ہو تو تحری کرے، اگر ہجوم زیادہ ہو تو اشارہ سے نماز پڑھ لے، پھر اس کا اعادہ کرے۔

الجواب عن الدلیل الاول: ضربتین ہونیکی وجہ یہ ہے کہ ضربۃ واحدۃ للوجه وہ تو مستعمل ہوگئی اوراگر اسے للیدین استعمال کریں تو مستعمل سے طہارت ہوگی جو جائز نہیں لہذا وامسحوا سے مسح واحد پر استدلال ماء مستعمل کی طہوریت کے اثبات پر مبنی ہے۔ فمادام لم يثبت هذا لم يثبت ذاك ثانیاً وامسحوا مطلقا نہیں مجمل ہے حدیث ضربتین ان کی تفسیر ہے مطلق نہیں کہ خبر واحد اس کی تفسیر نہ بن سکے۔

الجواب عن الدلیل الثانی: الی الرسغین، حدیث عمار میں الی المرفقین بھی ہے اس پر عمل کرنے سے الی الرسغین پر بھی عمل ہو جائے گا (یعنی اگر کہنیوں تک مسح کریں گے تو گٹوں {کلائیوں} پر مسح ہو ہی جائے گا) بخلاف الی الرسغین کے کہ اس پر عمل سے اُس (کہنیوں تک مسح کرنے والی روایت) پر عمل نہیں ہوتا۔

بعض نے جواب دیا کہ وامسحوا ایدیکم الی المرفقین ضربتین پر دلالۃ النص ہے کیونکہ وضوء میں وجہ کا پانی یدین کے لیے کافی نہیں فکذا ھھنا۔ اور اس طرح تیمم فرع ہے وضو کا، وہاں الی المرفقین ہے لہذا یہاں (تیمم میں) بھی ایسا ہو گا (یعنی کہنیوں سمیت مسح ہو گا)۔ اور روایت میں بھی الی المرفقین ہے لہذا اس پر عمل ہو گا۔ ضربة اور الی الرسغین کی حدیث یا متروک ہے بوجہ مخالف آیات بطریق دلالت النص ہے یا مؤول ہے کہ بیان واقع پر محمول ہے اور ضربات والی روایت کا جواب یہ ہے کہ تیسری مشترک ضرب ایک دفعہ وجہ سے مستعمل ہو کر یدین پر استعمال مستعمل لازم آئے گا جو درست نہیں۔

اعتراض: تیمم خلیفہ وضوء ہے اور مسح علی الخف یعنی غسل الرجل کا خلف ہے۔ تو جس طرح تیمم میں پورے اعضاء الی المرفقین ضروری ہے اسی طرح مسح بھی غسل رجل کی طرح پورے پیر کا ہو۔ **الجواب:** تیمم تو خلیفہ ہے لیکن مسح اور تیمم کی خلافت میں فرق ہے کیونکہ تیمم رافع للحدث ہے اور مسح دافع حدث ہے۔ رفع حدث یہ کہ اگر محدث ہو تو اسے کر لینے سے محدث نہیں رہتا اور دفع حدث یہ کہ حدث اس جگہ پر آتا ہی نہیں۔ اگر رجل بے وضوء ہو جائے تو خف حدث کو پاؤں تک نہیں پہنچنے دیتے، دفع کر دیتے ہیں اس لیے اوپر ہی مسح کر دیا جاتا ہے۔

بَابٌ فِي الرَّجُلِ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ عَلَى كُلِّ حَالٍ مَا لَمْ يَكُنْ جُنُبًا

حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الأَشَجُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، وَعُقْبَةُ بْنُ خَالِدٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ، وَابْنُ أَبِي لَيْلَى، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَلِمَةَ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقْرِئُنَا الْقُرْآنَ عَلَى كُلِّ حَالٍ مَا لَمْ يَكُنْ جُنُبًا. جنبی، حائض، قرآن نہیں پڑھ سکتے البتہ ذکر کر سکتے ہیں اور حائض کو ایام حیض میں وقت صلوٰۃ پر کچھ دیر ذکر کر لینا چاہیے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْبَوْلِ يُصِيبُ الأَرْضَ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، وَسَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمَخْزُومِيُّ، قَالاَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: دَخَلَ أَعْرَابِيٌّ الْمَسْجِدَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ، فَصَلَّى، فَلَمَّا فَرَغَ، قَالَ: اللَّهُمَّ ارْحَمْنِي وَمُحَمَّدًا وَلاَ تَرْحَمْ مَعَنَا أَحَدًا، فَالتَفَتَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: لَقَدْ تَحَجَّرْتَ وَاسِعًا، فَلَمْ يَلْبَثْ أَنْ بَالَ فِي الْمَسْجِدِ، فَأَسْرَعَ إِلَيْهِ النَّاسُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَهْرِيقُوا عَلَيْهِ سَجْلاً مِنْ مَاءٍ، أَوْ دَلْوًا مِنْ مَاءٍ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ.

عند الامام؛ طہارت ارض پانی اور خشک ہونے سے دونوں سے پاک ہو جاتی ہے، دلیل طهارة الارض یبسها۔ اور عند الشوافع؛ غسل ضروری ہے اور احناف کے نزدیک اگر پانی اتنا ڈالیں کہ بہہ جائے اور نجاست کا اثر اس میں نہ ہو تو پانی بہنے والا پاک ہو جاتا ہے عند البعض ناپاک ہے اور بعض احناف غسل سے طہارت نہیں مانتے کیونکہ پیشاب زمین میں دھنس جاتا ہے۔ تو اب اوپر پانی بہانے کا فائدہ نہیں صرف خشک ہونے کی صورت میں طہارت ہو گی۔

-اختتام كتاب الطہارۃ-

الحمدللہ کتاب الطہارۃ اختتام کو پہنچ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ بقیہ کتاب بھی جلد از جلد شائع ہو جائے تاکہ حضرت مولانا محمد رسول خان ہزاروی رحمہ اللہ کے ان فیوضات سے اہل علم خوب خوب مستفید ہو سکیں۔

میری اہلِ علم سے گزارش ہے کہ کتاب میں کسی بھی قسم کی قابلِ اصلاح بات، کمپوزنگ وغیرہ کی غلطی ہو تو ضرور آگاہ فرمائیں تاکہ آیندہ ایڈیشن میں درستگی کی جاسکے۔

يلوح الخط في القرطاس دهرا

و كاتبه رميم في التراب

اللهم إغفرلی ولوالدی ولذريتی وللمومنين يوم يقوم الحساب

وصلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه محمد وعلىٰ آله وصحبه اجمعين۔

آمين يا رب العالمين

حضرت مولانا مفتی غلام مصطفیٰ صاحب مدّظلّہ کی سندِ فراغت از جامعہ اشرفیہ لاہور

بسم الله الرحمن الرحيم — سنة ١٣٨٦ هجري

نمبر ٥٦٥

الحمد لله الذي هدانا للايمان وجعلنا من امة حبيب سيد الانس والجان وآتانا العلم والحكمة وفضلنا على كثير من عباده المؤمنين ووفقنا لتعليم الكتاب والسنة المنورة ونشر الشريعة المطهرة واستخدمنا لاحياء علوم الدين والصلوة والسلام على سيدنا ومولانا محمد سيد الاولين والآخرين وخاتم الانبياء والمرسلين وقائد الغر المحجلين وصفوة بريته وخلاصة خليقته اجمعين وعلى آله المطهرين واصحابه السادة الاكرمين في كل آن وحين الذين اودع قلوبهم علوم كتابه وسنته وانار بها انوار شريعته واخذ عليهم العهود والمواثيق للتبيين فلم ينقضوها وداموا على ذلك حتى اتاهم اليقين وعلينا معهم ... بمحض رحمتك وخالص لطفك وعميم نوالك يا ارحم الراحمين ويا اكرم الاكرمين ويا اجود الاجودين آمين يا رب العالمين وبعد فان الاخ الصالح المولوي غلام مصطفى بن سعيد خان مرحوم گلگتی قد دخل الجامعة الاشرفية التي هي عين علوم الشريعة وينبوعها ادام الله جريانها وسقيها وبارك في مائها وريها في اثناء شهر شوال المكرم سنة خمس وثمانين بعد الف وثلاثمائة من الهجرة النبوية على صاحبها الف الف صلاة والف الف تحية عدد ذرات الوجود وانفاس البرية فقرأ من العلوم والفنون المتفرقة كتبا يأتي ذكرها وبقي مدة ما قرأ على طريقة حسنة وسيرة مرضية رضي عنه الاساتذة واركان المدرسة وهو عندنا رجل صالح جيد الفهم اهل للافادة والتدريس والآن لما طلب منا الاجازة اجزناه وكتبنا له هذه الورقة لتكون سندا له وتذكرة اتباع السنة اهل التقوى واهل المغفرة ونوصيه واياناً بتقوى الله في السر والعلانية والاعتصام بالكتاب والسنة السنية والاستقامة على عقائد اهل السنة والجماعة وتقليد احد من الائمة الاربعة والتجنب عن صحبة اهل الدنيا واهل البدعة ونوصيه بحسن التأدب بحضرة السلف الصالحين والفرار عن المماراة والمباراة مع الفضلاء المعاصرين وان لا ينسانا في صالح دعواته في خلواته وجلواته وآخر دعوانا

تحريراً ٢٤ شوال المكرم سنه ١٣٨٧ھ

اسماء الكتب المقروءة بالجامعة الاشرفية

قرء من علم التفسير تفسير البيضاوى وتفسير الجلالين وقرء من علم الحديث الصحيحين للامامين الهمامين الامام البخارى والامام المسلم القشيرى والسنن الاربعة للائمة الاربعة ابى داؤد والامام الترمذى مع كتاب الشمائل له والامام النسائى والامام ابن ماجة والمؤطائين للامامين الجليلين امام دار الهجرة مالك ابن انس والامام الربانى محمد بن الحسن الشيبانى وشرح معانى الآثار للامام الطحاوى ومشكوٰة المصابيح ومن علم الكلام مير زاهد امور عامه ومن الفقه الجزئين الاخيرين من الهداية ومن المعقول ملا جلال مع الحاشية الزاهدية ؛

امضاءات المدرسين والاراكين للجامعة الاشرفية ببلدة لاهور

مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور — محمد ادریس کان اللہ لہ

شیخ التفسیر والحدیث

مولانا محمد رسول خان ہزاروی رحمہ اللہ
الملقب باستاذ الکل فی الکل

کا تعارف

”آپ دارالعلوم کے مشاہیر فضلاء میں سے تھے۔ آپ نے ۱۳۲۳ھ میں دارالعلوم سے سند فراغت حاصل کی تھی۔ کئی سال مدرسہ امداد الاسلام دارالعلوم میرٹھ میں تدریسی خدمات انجام دیں اور ۱۳۳۲ھ میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس بنائے گئے۔ یہاں آپ نے منطق فلسفہ اور دوسرے علوم کے علاوہ درس حدیث بھی دیا ہے اور سینکڑوں مشاہیر علماء نے آپ سے علمی استفادہ کیا ہے۔ بعد ازاں آپ لاہور چلے گئے اور وہاں آخر دم تک جامعہ اشرفیہ سے وابستہ رہے اور صدر مدرس کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ آپ معقولات و منقولات کے امام مانے جاتے تھے۔ میرے اساتذہ میں سے تھے۔ علوم عقلیہ و نقلیہ کو طالب علم کی استعداد کے مطابق اس طرح سمجھاتے تھے کہ مسئلہ شاگرد کے ذہن نشین ہو جاتا تھا۔ آپ کا درس تفہیم کے لحاظ سے ممتاز سمجھا جاتا تھا۔ درسی تقریر جامع اور پر مغز ہوتی تھی۔ آپ وجیہہ باوقار تھے۔ تقریر کے وقت چہرے پر نور و وقار برستا تھا۔ طرز بیان صاف اور موثر ہوتا تھا اور اب ایسے عمیق علم و فہم کے حامل اور علوم دینیہ کے مبصر کہاں پیدا ہوں اور پیدا ہو بھی جائیں تو ذہن سابقین کی صحبت و معیت سے جو ان کا بنا تھا وہ کہاں سے لائیں گے۔“

بزبانِ

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی رحمہ اللہ

سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند